یونیورسٹی آف ملایا
ملائیشیا

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی
لاہور

اصحاب الکہف کے موضوع پر کی گئی جدید ترین تحقیق

نبی کریم ﷺ پر لگائے گئے علمی الزامات کا 250 سال بعد علمی جواب

محقق
راشد اقبال ملک

گیبریل کالج
منڈی بہاول الدین

ناشر: برل پبلشر
1683 سے تحقیقی پبلشنگ کا عظیم ترین ادارہ

میں اس تحقیق کو اپنے والدین کے نام وقف کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ پاک انکو اس کار خیر کی بدولت جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے

اور

اجازت دیتا ہوں کہ 2019 کے بعد فروغ علم کے لیے فی سبیل اللہ کوئی بھی اسکی مفت اشاعت کر سکتا ہے۔ البتہ کاروبار کے لیے اسکی اجازت نہیں۔
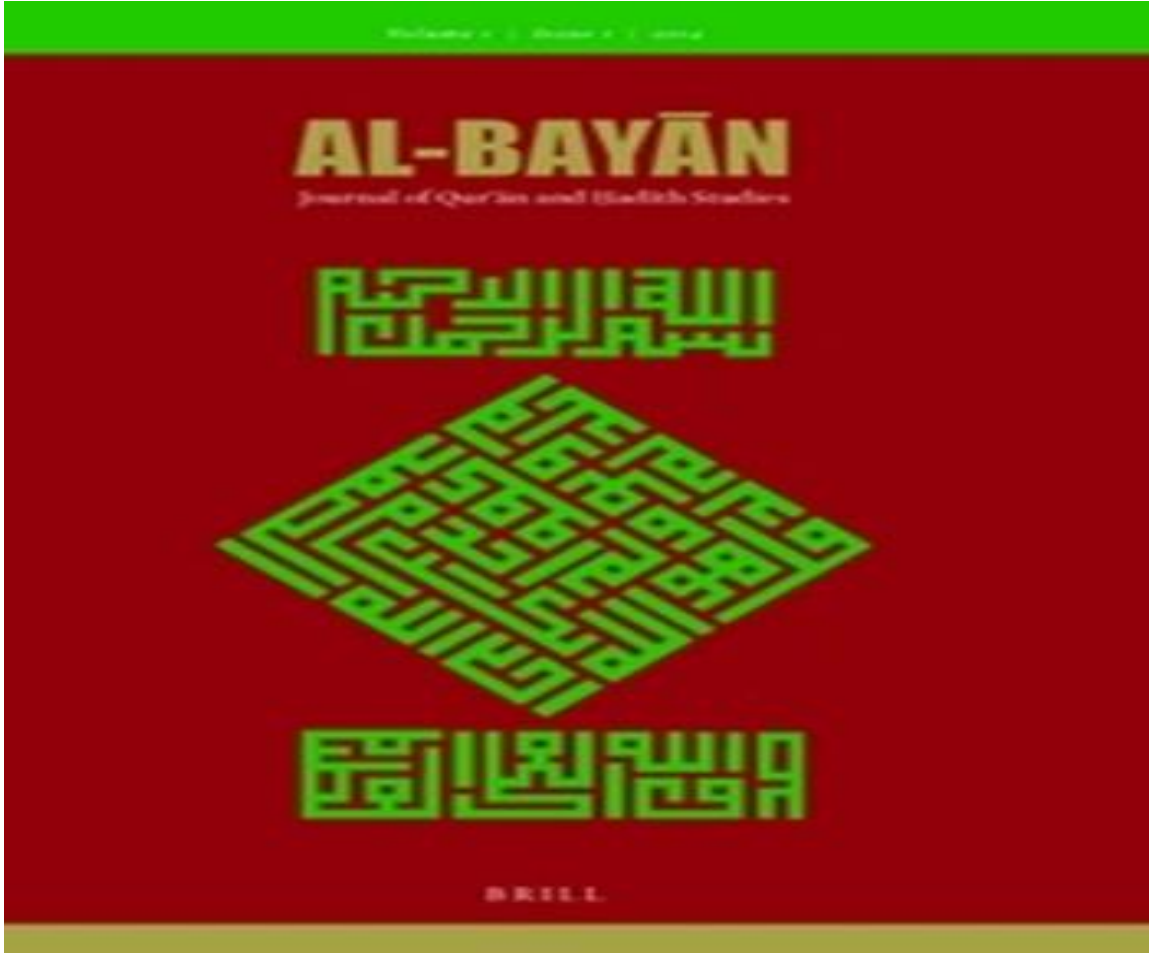
البیان جرنل آف قرآن اینڈ حدیث میں شائع شدہ

جون 2017 شمارہ

اس مقالے کے اثرات سے متاثر آکسفورڈ یونیورسٹی کا محقق کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک اور مقالہ پڑھنے کا دعوت نامہ

Oxford Symposium on Religious Studies

14 June 2017

Rashid Iqbal
Government College University, Lahore
Pakistan

Re: 11th International Oxford Symposium on Religious Studies

Letter of Invitation

Dear Mr Iqbal:

Recently we informed you that your abstract had been accepted based on peer review. We therefor invite your to participate in the Oxford Symposium on Religious Studies to be held 2, 3 & 4August 2017 at the Old Library of the University Church, and St Hilda's College, Oxford.

We look forward to your oral presentation of the paper titled "ISLAMIC ANALYSIS OF 'THE LAST SUPPER' FROM QURAN, NT AND DEAD SEA SCROLLS (DSS) ON THE BASIS OF FIVE-PRONGED JUXTAPOSING APPROACH ."

We received the symposium registration for yourself and your wife and added your names to the list of Delegates.

All abstracts will be published in conference proceedings. You have the opportunity to edit your abstract. Those interested in submitting a manuscript for publication review may do so roughly six weeks after the conclusion of the symposium.

We intentionally keep our conferences small to foster critical collegiality and discourse. We, therefore, depend on the active participation of delegates throughout the entirety of the conference and expect delegates to participate for the full duration of the conference.

We will be in regular contact with delegates closer to the time of the conference.

Sincerely yours,

Lydia Allen

Coordinator
Oxford Symposium on Religious Studies

OXFORD SYMPOSIA

info@oxfordsymposiumonreligiousstudies.com
David Martin Facilitator 011 44 [illegible]
Lydia Allen Coordinator 011 1 [illegible]

http://www.oxfordsymposiumonreligiousstudies.com/

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اصحاب الکہف پر کی گئی جدید ترین تحقیق اسکی اہمیت اور افادیت

(علمِ روایت ودرایت کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ)

مقدمہ

اصحاب ؓ الکہف کا قصہ بلاشبہ قرآن کریم کے چند اہم ترین موضوعات میں تصور کیا جاتا ہے۔اس سورۃ کی شان نزول ہی اسکی اہمیت اور افادیت کی شاہد ہے۔ جسکی بدولت ایک طرف نبی کریم ﷺ کی شان نبوت کفار مکہ اور یہود مدینہ کے سامنے مزید نکھر کر سامنے آئی اور دوسری طرف انکے سوالات کا عظیم الشان جواب اللہ کریم نے سورہ الکہف کی صورت میں نازل فرمایا۔ اس واقعہ کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے ایک امر کا ادراک ضروری ہے کہ سورۃ الکہف کی آیات 9 سے 26 تک اللہ تعالی نے یہ واقعہ براہ راست بیان فرمایاہے۔اس کے علاوہ کسی اور جگہ اس واقعہ کا ذکر آتا ہے اور ناں ہی کسی حدیث ﷺ میں اسکی کسی بھی لحاظ سے تصریح ملتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تفسیری موضوع میں مسلم مفسرین کو کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں۔

۱۔ یہ واقعہ غیر عرب اقوام سے تعلق رکھتا تھا اور خطہ عرب سے باہر واقع ہوا تھا۔

۲۔ قدیم عرب مؤرخین اور مسلم علماء و مفسرین اس واقعہ سے کلی طور پر ناواقف تھے۔

اسکی روایت کرنے والوں متقدمین مفسرین میں اصحاب رسول ﷺ حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا ذکر ملتا ہے۔ جبکہ اسکے اصل راوی درحقیقت یہودیت اور نصرانیت سے نو مسلم تابعین ؒ کرام تھے جو اسرائیلی علوم سے عمومی واقفیت کی بنیاد پر اسرائیلیات کے بنیادی

مصادر تھے۔ مثلاً ان ہی تابعین میں ایک تابعی کعبؓ بن الآحبار کا نام کثرت سے ملتا ہے۔ تدّبر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو متاخرین نے اِنھی مصادر کی روایات کو اِنھی کے طریقہ کے ساتھ یا بغیر کسی بیانِ سند کے اپنی اپنی تفسیری کتابوں میں محض نقل کر دیا ہے اور پھر یہ واقعہ نقل در نقل ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اسکو حقّانیت کی سند مل گی۔ اس واقعہ کا موجودہ مسیحیت سے دور دور کا واسطہ نہیں اور نا ہی یہ ایک مسیحی روایت ہے۔ یہی اس سورۃ کی عظمت ہے جو ایک طرف تو اس قصہ کی اصل حقیقت بتاتی ہے اور دوسری طرف یہ فہم و شعور کہ کیوں مسیحیت اس واقعہ کو گلے سے لگا کر بیٹھی ہوئی ہے۔

تحقیقی مقالے کی اہمیت، افادیت اور وجہ تصنیف

بعثت نبوی ﷺ کی تصدیق کے لیے نبوت کے درمیانی دور میں کفار مکہ نے یہودِ مدینہ سے رابطہ کیا اور جواباً مشیّت الٰہی کے تحت یہودِ مدینہ نے بھی اصحابؑ الکہف کے متعلق سوال اٹھادیا۔ چاہے یہودِ مدینہ کی نیت نبی کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت کی حقّانیت کی تصدیق ہی تھی بحر حال مشیّت الٰہی انکی سوچ سے کہیں آگے تھی۔ اللہ بزرگ و برتر نے اس واقعہ سے مسیحیت کے پیشروں کی 1600 سو سال پہلے کی جانے والی ریشہ دوانیوں کو اکیسویں صدی میں بحر مردار کی دستاویزات کے شواہد کی روشنی میں کھولنا تھا اور اس عظیم خدمت کے لیے مجھے چننا تھا۔ یہ یقیناً بڑا دعویٰ ہے مگر اس مقالے کو عالمی سطح پر مستند تحقیق کا درجہ ملنا اس دعویٰ کی سچائی کا بیّن ثبوت ہے۔

اس تحقیقی مقالے کی روسے اس واقعہ کی تین جہتیں ہیں۔ اولاً، تاریخی، دوئم، مذہبی، سوئم، علمی۔ ان تین جہتوں پر ہی حقائق کی روشنی میں دلائل دیے گئے ہیں۔ اس قصے کی بے مثل افادیت جاننے کے لیے یہ فہم ضروری ہے کہ تقریباً تمام مروّجہ روایت کا بنیادی ماخذ مسیحیت سے مشتق ہے۔ چنانچہ اس علمی کاوش کو دوجہتی تناظر میں سمجھنے کی اشّد ضرورت ہے۔

۱۔ اس من گھڑت اسرائیلی روایت سے مسیحیت نے کیا پایا۔

۲۔ اور مسلمانوں نے کیا کھویا۔

مقدمہ میں مقالے کی افادیت اور مسلمانوں کو پہنچائے گئے نقصان کی تفصیل بیان کرنا قطعاً مقصود نہیں صرف اجمالی ذکر ایک طرح کا توجہ دلاؤ نوٹس ہے۔ یہ مقالہ اول تا آخر اسی افادیت، اہمیت اور اثرات کو اجاگر کرنے کی کاوش ہے۔ اگرچہ عظمت قرآن ایک مسّلم حقیقت ہے اور یہودِ مدینہ کے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات اسکی عظمت کے دلائل ہیں لیکن یہاں اس جواب کو عظیم الشان کہنا ایک مختلف پیرائے میں ہے۔ یہ پیرایا شاید اسلامی اسکالرشپ کی وسعتِ نظری سے بعید رہا۔ اسلامی علماء کرام کی اکثریت اس واقعہ کو ایک اسرائیلی روایت سمجھ کر نادانستگی میں من و عن تفسیر قرآن میں مرّین کرتے رہے۔ کچھ علماء نے تو پوری شد و مد کے ساتھ اس خود ساختہ مسیحی واقعہ کی باقاعدہ تبلیغ و ترویج کی۔ اسی لیے تقریباً تمام کتب تفاسیر میں اس واقعہ کا ذکر ایک مسیحی روایت کے طور پر ہی درج ہے مثلاً مشہور کتاب قصص الانبیاء میں مصنف سورۃ الکہف کی تفسیر میں یوں رقم طراز ہیں "کیوں کہ عرصہ ہوا یہاں کہ باشندوں نے شرک چھوڑ کر مسیحیت قبول کر لی ہے"۔ یہ مفسرین اس بات کو نظر انداز کر گئے کی تثلیثی مسیحیت اور حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں عقیدے کا بنیادی فرق تھا اور مسیحی مبلیغین و مفسرین کے دعویٰ کا محور تثلیثی مسیحیت رہا ہے نا کہ توحیدی عقائد کا پرچار انکا مطلوب تھا۔

چنانچہ اس خود ساختہ اسرائیلی روایت کو اسلامی درجہ قبولیت کا ایک انتہائی غیر پسندیدہ اثر سامنے آیا جس کی حدت مسلم علماء کے سوا کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس قبولیت کی بدولت مسیحی علماء اور موّرخین کو نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنے کا ایک نادر موقعہ مل گیا۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ پر علمی چوری کے پہ درپہ الزامات عائد کر دیئے۔ مثلاً اٹھارویں صدی عیسوی کے سب سے بڑے مسیحی موّرخ ایڈورڈ گبّن نے یہ کہہ کر دشنام طرازی کی کہ

ترجمہ "اصحاب الکھف کی شہرت نا صرف مسیحی دنیا تک محدود تھی۔ یہ کہانی مہومیٹ (محمد ﷺ) نے اپنے شامی قافلوں کے دوران سیکھی اور بعد میں ایک وحی کے طور پر قرآن میں متعارف کر دی"۔ علیٰ ھذا القیاس۔

ان مسیحی موّرخین اور مستشرقین نے اپنے اپنے ادوار میں اس ناپاک جسارت میں حتی المقدور اپنا اپنا حصہ ڈالا اور دلائل سے یہ باور کرتے رہے کہ بالخصوص اس واقعہ کی روسے قرآن اور نبی کریم ﷺ موردِ الزام ہیں اور یہ کے اس واقعہ پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہ واقعہ زبردستی قرآن میں مذموم مقاصد کے لیے ٹھونسا گیا (نعوذ باللہ ولعن

اللہ علیہم اجمعین)۔ بحر حال مسلمانوں پر علمی حملہ تو ہو چکا تھا۔ مستشرقین کا یہ الزام پوری شد و مد کے ساتھ پوری اسلامی دنیا کی جامعات میں مسلم اسکالرز کو پی ایچ ڈی کی سطح تک پڑھایا جاتا ہے۔ مسلم علماء پر اسکا جواب ایک فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔اس ضمن میں سرسری جواب تو یہ دیا گیا کہ یہ محض ایک تعصب زدہ الزام ہے۔ بر سبیل مثال پیر کرم شاہ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں لکھا ہے کہ "ہاں ایک چیز ضرور قابل غور ہے۔ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ واقعہ اپنے شام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں علماء اہل کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا۔ کیونکہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات جمیس کے مواعظ میں لکھی ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔اس لیے اس گستاخ اور منہ پھٹ مؤرخ نے سپہر علم و حکمت کے نیّر اعظم پر بے عملی اور جہالت کا الزام لگایا۔اس طرح اس نے یہ صرف حقیقت کا منہ چڑایا ہے بلکہ مؤرخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے"۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلم علماء محسن انسانیت ﷺ پر لگائے گئے الزامات کی تہہ تک پہنچتے اوران مسیحی مؤرخین کو مناسب علمی و تحقیقی جواب دیتے۔اس سارے قصے میں یا مسیحی علماء کا دعوی سچا ہے یا قرآن سچا ہے۔ مسلم علماء نے یہ جوابِ دعوی بد قسمتی سے پچھلے کم و بیش ڈھائی سو سال سے داخل نہیں کیا جسکی بدولت سوائے الزام در الزام کے کوئی سود مند مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔

مقاصد

راقم الحروف نے دو مقاصد کے تحت اس کا جواب دینے کا بیڑا اٹھایا۔

1۔ گبن اور مستشرقین کا قرآن اور محمد ﷺ پر علمی چوری کا الزام رد کیا جائے۔

2۔ یہ بتایا جائے کہ الزام لگانے والوں نے دراصل خود اس روایت کو مسیحیت کے فروغ کے لئے استعمال کیا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے یہ جواب رائج الوقت دو ہی طریقوں سے دیا جا سکتا تھا۔اولاً اسکو کتابی شکل میں شائع کر دیا جاتا۔اس طریقہ کا سب سے بڑا نقصان تھا کہ یہ مصنف کی ذاتی رائے سمجھی جاتی اس جوابِ دعوی کو درجہ سند

قطعاً حاصل نہیں ہوتا جو ہرگز مقصود نہیں تھا۔اسی امر کی طرف میری توجہ میرے مہربان دوست ڈاکٹر عدیل صاحب نے کروائی جس پر میں نے اس موضوع پر کتاب لکھنے کے ارادے سے رجوع کر لیا۔درجہ سند دینے کے لیے دوسرا طریقہ تھا کہ اس تحقیقی کام کو وقت کے نامور علماء(بشمول مسیحی علماء)کے سامنے کسی تحقیقی مجلے میں پیش کیا جاتا تاکہ علماء اسکو پرکھتے اور اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس مقالے کے دلائل کو جانچتے۔چنانچہ اس مقالے کو کسی تحقیقی مجلے میں شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا۔اس ارادے کو پایہ تکمیل پہنچانے میں بھی دوگانہ سوچ کارفرما تھی۔

۱۔کیا صرف کسی بھی سطحی مجلے میں جوابِ دعویٰ دائر کرنے پر اکتفا کیا جائے؟

۲۔یا انتہائی معیاری تحقیقی مجلے کا انتخاب کر کے ان مستشرقین کی زبان میں،انکے علمی و تحقیقی مراکز تک پہنچایا جائے تاکہ مقصد کماحقہ حاصل ہو سکے۔

کسی بھی علاقائی مجلے میں یہ تحقیق شائع تو ہو جاتی مگر اس عظیم الشان تحقیقی کام کا معیار گر جاتا دوسرا یہ بھی ممکن تھا کہ یہ داخلِ دفتر ہو جاتا اور مسیحی علماء تک پہنچنے سے رہ جاتا اور اگر پہنچ بھی جاتا تو وہ اسکو یک جنبشِ قلم رد کر دیتے۔ان تمام امکانات سے بچنے کی واحد صورت تھی کہ تحقیقی مجلے کے چناؤ میں انتہائی احتیاط برتی جائے اور کسی ایسے مجلے کا انتخاب کیا جائے جس میں درج ذیل خصوصیات پائی جائیں۔

۱۔وہ مجلہ بین القوامی تحقیق کا علمبردار ہو۔

۲۔کسی اسلامی ادارے سے وابستہ ہوتا کہ اسلامی جوابِ دعوی سمجھا جائے۔

۳۔غیر اسلامی مذاہب کے علماء اسکے ریویو بورڈ کے ممبر ہوں۔

۴۔یورپ میں شائع ہوتا ہو اور یورپی اسکالرشپ اس سے استفادہ حاصل کرتی ہو۔

۵۔بین الاقوامی زبان میں ہوتا کہ محسن انسانیت ﷺ پر لگائے گئے الزامات کا بھرپور جواب کھلے چیلنج کے ساتھ پوری دنیا کے علماء پڑھیں اور اسکو غلط ثابت کرنے کی اگر سعی کرنا چاہیں تو میدان میں اتریں۔

یہ صفات کسی بلند پایہ یورپی یونیورسٹی کے مجلے میں پائی جاتی ہیں مگر چونکہ یہ جامعات پوائنٹ نمبر ۲ پر پورا نہیں اترتیں اس لیے اس عظیم تر سوچ کے ساتھ راقم الحروف نے 'یونیورسٹی آف ملایا' کے کثیر الاشاعت

مجلّے ”Al-Bayan Journal of Quran and Hadith Studies“ کا انتخاب کیا۔ یہ مجلّہ یورپ سے شائع ہوتا ہے اور بیش قیمت علمی ذخیرہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس بیش قیمت مجلّے کی قیمت 32 ہزار کے قریب ہے جس میں تقریباً چھے مقالے شامل ہوتے ہیں۔ اور اگر میرے اس ایک مقالے کو آن لائن پڑھنے کے لیے سرچ کیا جائے تو اسکی قیمت 3 ہزار سے کچھ اوپر ہے۔ قیمت لکھنے کا واحد مقصد عوام الناس کو مجلّے اور مقالے کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے ورنہ یہ انمول تحقیق ہے جسکا اجر صرف اللہ دے سکتا ہے۔

یہ تحقیق مکمل کرنے کے بعد بھی ایک سال سے زائد عرصہ تک یہ تحقیقی کام دنیا کی بلند پایہ جامعات کے بین المذاہب علماء اور محققین کے درمیان زیر بحث رہا ۔ اسکا ہر پہلو سے جائزہ لیا جاتا رہا اور تحقیق کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آخر کار جون 2017 کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ جوابِ دعویٰ اب ایک سند کا درجہ رکھتا ہے اور اسکا رد کسی ایسی ہی سطح کے تحقیقی مجلّے سے ہو سکتی ہے جو الحمد اللہ فی الوقت ممکن نہیں۔

اہداف

اس بین الاقوامی تحقیقی مقالے میں درج ذیل اھداف حاصل کئے ہیں (الحمد اللہ)۔

- مستشرقین کے قرآن اور محمد ﷺ پر علمی چوری کے الزامات یورپ کے معروف اسکالرز کے ریویوز کے بعد رد کیے جا چکے ہیں
- یہ ثابت کیا ہے کہ اس واقعہ کا استحصال کر کے بت پرست یورپ میں مسیحیت کو پھیلانے کے لیے کامیابی سے استعمال کیا گیا
- اسرائیلی روایت کی پرکھ اور جانچ کے لئے انتہائی آزمودہ کسوٹی دریافت کی ہے اور اسی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے یہ مسیحی روایت کھنگالی ہے
- اصحاب الکہف پر نیا نظریہ دیا ہے جو موجودہ نظریات سے بالکل مختلف ہے.
- بحر مردار کی دستاویزات کی تحقیق پر کاری سوالات اٹھائے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ انکی ٹائم لائن غلط ہے
- یہ تحقیقی پیپر بائبل کے علماء کو متاثر کریگا اور انکو چند انتہائی اہم امور پر جوابدہ بنائے گی۔

- قرآن کی تمام تفاسیر میں اصحاب الکہف کی شرح تبدیل ہو گی کیونکہ اس من گھڑت روایت کو قرآن میں جگہ دے کر مسلمانوں نے مندجہ بالا بہت بھاری قیمت ادا کی ہے.

اس تحقیقی مقالے کے اثرات اشاعت کے ایک مہینے کے اندر دنیا کی مایہ ناز یونیورسٹی آکسفورڈ لندن تک پہنچ گئے چنانچہ اس مقالے میں دی گئی اصولی نظریہ کی پرکھ پر مشتمل ایک اور مقالے کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے زیر سایہ منعقدہ سمپوزیم میں پڑھنے کے لیے دعوت نامہ موصول ہو چکا ہے۔زیر مطالعہ مقالہ اگر ناموس نبی ﷺ کا بیّن ثبوت ہے تو ان شاءاللہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھا جانے والا مقالہ براہین قرآن کا محافظ ہے۔شاید پہلی بار قرآن کی بیان کردہ شہادتوں کو بائبل کی روایتوں کو پرکھنے کے لیے مغربی محققین اپنی عظیم ترین درس گاہ میں سنجیدگی سے سننے کو تیار دکھائی نظر آتے ہیں۔ الحمداللہ

میں والد صاحب کا احسان مند ہوں جنھوں نے میری تعلیم و تربیت اس انداز سے کی کہ مجھے اس غیر معمولی سعادت کا اہل بنایا۔اس کام میں بالخصوص اپنے بڑے بھائی ملک خالد اقبال، مربی و غمگسار محترم ڈاکٹر حافظ عدیل صاحب اور سید اظہار الحسن ہاشمی صاحب کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے میری خصوصی مدد فرمائی۔

میں اس عظیم سعادت کے چناؤ پر اللہ کریم کا بے حد مشکور ہوں اور اس کو روزِ قیامت سبیلِ نجات مانتا ہوں

راشد اقبال ملک

سعیلہ جہلم

یکم رمضان المبارک 2017

(ضروری نوٹ: **زیر مطالعہ ترجمہ شائع ہونے والے مقالے کا تقریباً لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔ حتی الوسعی کوشش کی گئی ہے کہ پاس شدہ مقالے سے کسی بھی طرح کا فرق نہیں ہو اور وہی ترجمہ کیا جائے جو علماء نے پاس کیا ہے۔یہ مصنف کی**

اخلاقی اور قانونی ذمہ داری بھی ہے۔اس کوشش میں ترجمے کی بعض جگہوں پر تفصیلاً بیان کی گنجائش رہ گئی ہے جس کا مصنف کو پوری طرح ادراک ہے اس کے لیے معذرت کا خواست گار ہوں)

تحقیقی مجلّے کے بورڈ آف ریویورز کی لسٹ

Malaysia)

Prof. Dr. Muhammad Khazir Saleh Al-Majali (*University of Jordan, Jordan*)

Assoc. Prof. Dr. Gabriel Said Reynolds (*University of Notre Dame, USA*)

Assoc. Prof. Dr. Mustaffa Bin Abdullah (*University of Malaya, Malaysia*)

Dr. Mustafa Shah, SOAS (*University of London, UK*)

Prof. Dr. Ahmad Hasan Farhat (*University of Kuwait, Kuwait*)

Assoc. Prof. Dr. Fauzi Bin Deraman (*University of Malaya, Malaysia*)

Prof. Dr. Abdallah El-Khatib (*University of Sharjah, UAE*)

Dr. Andreas Goerke (*University of Edinburgh, UK*)

Prof. Dr. Abu al-Layth al-Khayr Abadi (*International Islamic University Malaysia, Malaysia*)

Prof. Dr. Thameem Ushama (*International Islamic University Malaysia*)

Prof. Dr. Peter Riddell, SOAS (*University of London, UK*)

Prof. Dr. Abdullah Saeed (*University of Melbourne, Australia*)

Assoc. Prof. Dr. Halil Rahman Acar (*Yıldırım Beyazıt University, Turkey*)

Dr. Emran el-Badawi (*University of Houston, USA*)

Dr. Mun’im Sirry (*University of Notre Dame, USA*)

Dr. A.S.H.G. Boisliveau (*University of Groningen, Netherlands)*

اصحاب الکہف کے اوپر بحر مردار کی دستاویزات کی بنیاد پر کی گئی جدید ترین تحقیق

راشد اقبال ملک [1]

شعبہ اسلامی تعلیمات، جامعہ گورنمنٹ کالج لاہور، پاکستان

خلاصہ

بحرِ مردار کی دستاویزات کی ۱۹۴۷ء میں دریافت کی روشنی میں ہیکل ثانی کی یہودیت اور قدیم مسیحیت کے مروّجہ نظریات میں بنیادی تبدیلی آئی ہے۔ ابھی تک اسلامی محققین نے بحرِ مردار کی دستاویزات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ اسکی وجہ شاید یہ تخیّل ہے کہ ان دستاویزات کا تعلق کلّی طور پر مسیحیت اور یہودیت سے ہے۔تاہم ان دستاویزات کی دریافت نے اس موضوع پر عمومی بحث و مباحثہ کا دروازہ ضرور کھولا ہے جو ایک اسلامی ردِ عمل کا تقاضہ کرتا ہے۔ لیکن اس اہم موضوع کے مباعث، اٹھائے گئے سوالات اور ممکنہ جوابات ابھی تک عدم توجہ کا شکار ہیں۔ چنانچہ اس لغوی خلاصے میں اصحابؓ الکہف کی تاریخ، انکی حقیقت اور فطری ماہیت مدلّل انداز میں بیان کی گئی ہے۔ بحر مردار کی ان دستاویزات کو ہیکل ثانی کی یہودیت، قدیم مسیحیت، سلطنت رومہ کی تاریخ اور قرآن پاک میں پائے گئے حیران کن شواہد کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اس جدید ترین مفصّل اسلوب کو "پنج جہتی تقابلی موازنے سے استنباط" کہا گیا ہے اور یہ مروّجہ نقطہ ہائے نظر سے کلّی طور پر مختلف ہے [2]۔

---

[1] مصنف ایک پیشہ ور پائلٹ ہے اور مذہبی میدان میں بھی سر گرم عمل

میں البیان جرنل آف قرآن اور حدیث، مدیروں اور پڑتال کرنے والے علماء کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے مجھے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا اور راہنمائی کی تاکہ اس مستشرقین کے نبی کریم ﷺ پر اعتراضات کا جواب دیا جاسکے [2]

تعارف

اصحاب الکہف کے قصے کو دین ابراھیمی کے پیروکار یہودی، مسیحی اور مسلمان سبھی ہمیشہ مذہبی عقیدت سے دیکھتے ہیں۔ یہ قیامت کے یقین کا دنیاوی ثبوت ہے اور عقیدہ توحید کے حامل ہر فرد نے اسکی تعظیم کی ہے. یہ ممکن ہے کہ یہودِ مدینہ نے اسی عقیدت و تعظیم کی وجہ سے نبی کریم ﷺ سے اصحابؓ الکہف کے بارے میں سوال پوچھا ہو جس کے نتیجے میں سورۃ الکھف نازل ہوئی۔

اس تحقیق کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔ اولاً گبن کے قرآن اور محمد ﷺ کے متعلق قول کا ایک مفصل جوابِ دعویٰ دیا جائے، جب گبن نے دشنام طرازی کی کہ، "اصحاب الکہف کی شہرت صرف مسیحی دنیا تک محدود نہیں تھی۔ یہ کہانی جو مہومیٹ (محمد ﷺ) نے اپنے شامی قافلوں کے دوران سیکھی اور بعد میں ایک وحی کے طور پر قران میں متعارف کرادی[3]"۔ ثانیاً، حالیہ دریافت شدہ بحر مردار کی دستاویزات کی روشنی میں تاریخی شواہد دکھائے جائیں کہ کس طرح اس وقت کے بت پرست یورپ میں مسیحیت کو پھیلانے کے لیے اس کہانی کی مدد لے کر فائدہ اٹھایا گیا تھا۔

عالم اسلام کے صوفیاء اور دانشور ابھی تک اصحابؓ الکہف پر ایک فطری تعطل کا شکار ہیں۔ کیونکہ اس سورۃ اور اصحابؓ سے متعلق پہلے یا بعد میں کوئی وحی یا حدیث ﷺ موجود نہیں ہے۔ الہامی تصریح اور متعلقہ احادیث ﷺ کی غیر موجودگی کی وجہ سے مسلم علماء دو زمروں میں سے کسی ایک میں شامل ہو گئے۔ پہلا زمرہ ان دانشوروں اور مفسرین کا ہے جنھوں نے اس کہانی کو یکسر نظرانداز کر دیا اور کوئی تفسیر بیان نہیں فرمائی[4]۔ ان علماء نے تفسیر بالمآثور

---

[3] Edward Gibbon, *The History of the Decline and Fall of the Roman Empire*, vol. i, p. 1330, available online at: http://www.ccel.org/g/gibbon/decline/volume1/chap33.htm

[4] This catageory includes Qurʾānic commentaries written by Ibn Ğarīr, al-Ṭabarī, Ibn Kaṯīr and many others.

پر کلّی طور پر انحصار کیا اور اس واقعہ کی تحقیقات کے لیے اللہ کی طرف سے حکمی ممانعت کو مد نظر رکھا[5]۔ دوسری قسم کے مفسرین نے تفاسیر بالرائے طرز کی قرآنی تفاسیر کے لیے یا اس واقعے پر لکھی گئی مختلف کتب میں ضرورت کی بنیاد پر اس قصے پر بات کی ہے۔ ان علماء نے شاید درج ذیل حدیث ﷺ کی رو سے عمل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "میری تعلیمات کو لوگوں تک پہنچاؤ چاہے ایک جملہ ہی کیوں نا ہو۔ اور باقیوں کو بنی اسرائیل کی کہانیاں بیان کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو کوئی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں پائے[6]"۔

بادیٔ النظر میں عالم اسلام کے صوفیاء اور دانشور علماء نے نادانستہ طور پر اسرائیلیات کو اصحاب الکہف سے جوڑ دیا یہ جڑاؤ ''پنج جہتی تقابلی موازنہ "یعنی بحر مردار کی دستاویزات کی کلّی سمجھ، ہیکلِ ثانی کے دور کی یہودیت کی سمجھ، ابتدائی مسیحیت، سلطنت رومہ کی تاریخ سے آگاہی اور قرآن میں پائے گئے حیران کن روشن دلائل سے تقابلی موازنے کے اسلوب کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا نتیجہ ایسے متکبرانہ خیالات کے اظہار میں دیکھا جا سکتا ہے جن کا لیمبڈن نے اپنے ڈاکٹورل مقالے میں کچھ یوں کیا ''مسلمانوں نے ابراہیمی یا اسرائیلی روایات کے مواد کو چنا، ضم کیا اور اسلامی رنگ میں ڈھال دیا[7]"۔

فی الواقعہ بائیبل اور مسلم علماء اس قصے کی بائیبل کی بنیاد پر روایت کی گئی کہانی پر مطمئن دکھائی دیتے ہیں۔ یقیناً دریافت اور جدت کی کمی اس موضوع پر کسی بھی قسم کی قیاس آرائی کی اجازت نہیں دیتی۔ بحر حال 1947ء میں قمران کی غاروں میں بحر مردار کی دستاویزات کی دریافت نے پہلی صدی عیسوی کی ابتدائی مسیحیت اور ہیکلِ ثانی کے دور کی یہودیت کی مرؤجہ روایت میں انقلابی تبدیلیاں برپا کی ہیں۔ بحر مردار کی دستاویزات اور وہ معاشرہ جس نے مبینہ طور پر

[5] The Qurʾān says: "So do not argue about them except with an obvious argument and do not inquire about them among [the speculators] from anyone" (Kor 18, 22).

[6] Buḫari, *Ṣaḥīḥ Buḫarī*, number 3461, available online at: https://sunnah.com/bukhari/60/128

[7] Stephen N. Lambden, "Some Aspects of Israʾiliyyat and the Emergence of the Babi-Bah'i Interpretation of the Bible", PhD diss., Newcastle University, 2002, p. 16. Doctoral dissertation retrieved from http://bahai-library.com.

ان کو لکھا تھا ایک انتہائی عمیق اور گنجان موضوع ہے جس پر ہزاروں کی تعداد میں کتب ورسائل اور مجلے لکھے جا چکے ہیں۔ زیرِ مطالعہ لغوی مقالے میں بحر حال یہ خاصیت موجود ہے کہ یہ سورۃ الکہف کی آیت 9تا26 کی صدیوں سے موجود مرؤجہ تفسیری روایت کو تبدیل کر کے نیا رخ دے سکتی ہے۔ جس میں مرؤجہ اسرائیلی روایات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اصحابؓ الکہف سے متعلق بالکل نئی طرز کی تحقیق اور نظریہ دیا گیا ہے۔ اس غیر معمولی اسلامی جہت کی سمجھ اور گرفت کے لیے ""پنج جہتی تقابلی موازنہ"" پر مکمل دسترس لازم ہے۔

بحر مردار کی دستاویزات کی موجودہ تحقیق اپنی اساس سے ہی انتہائی مبہم ہے بالخصوص اسکی رو سے پہلی صدی عیسوی کی یہودیت اور اس دور میں پائی جانے والی انکی طبقاتی تقسیم کی مناسب فہم قطعاً ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ مرؤجہ فکری نظریہ اس دور کی یہودیت کی دو شاخہ تقسیم کی کچھ یوں وضاحت کرتا ہے۔ اولاً وہ یہودی تقسیم جس میں ایک طرف وہ یہودی فکر تھی جو دین ابراہیمی کی اصل روح کی محافظ تھی جیسے کہ "اسینی قمران معاشرہ" اور دوئم وہ یہودی طبقہ جس نے ""جینٹائلز"" ""مطلب غیر یہودیوں کے ساتھ تعلقات استوار کیے مثلاً "فاریسی اور صدوقی طبقات" اور بالآخر سینٹ پال کی تعلیمات والی مسیحیت ""پالن کرسچیئنیٹی"" میں مدغم ہو گئے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات کے نظریہ پر بظاہر اسکے متضاد نظریہ نے قبضہ کر لیا ہے۔ مزید براں ابھی تک بحر مردار کی دستاویزات کی تحقیق میں ایک بار بھی قرآن سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ جسکی وجہ سے ان دستاویزات میں موجود ""اسینی قمران معاشرہ"" سے متعلق تحقیقات اپنی بنیاد و شروعات سے ہی عیب زدہ ہیں۔ شاید اسکی بنیادی وجہ آخری الہامی کتاب ""قرآن"" سے متعلق دلوں میں چھپا ہوا تعصب ہے جسکی وجہ سے قرآن سے اسکے نزول سے پہلے وقوع پزیر واقعات کو پرکھنے کے لیے عمومی، جزوی یا کلی طور پر کنارہ کشی اختیار کی گی ہے۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی فاش غلطی ہے جیسے آئن سٹائن نے اپنے ""عمومی نظریہ جازبیت"" میں ایک زبردستی کا محرک رکھ کر کی۔ اس غلطی کو بعدازاں اسکی تحقیقی زندگی کی سب سے بڑی غلطی مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی طرز کی علمی غلطی مسیحی علماء کی جانب سے دہرائی جا رہی ہے جو لگاتار ان دستاویزات کو کھنگال رہے ہیں اور آخری الہامی کتاب کو کلّی طور پر نظرانداز کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے زیادہ تر مسیحی مفسرین حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان کسی بھی قسم کی میل ملاقات کے امکان کو یکسر رد کرتے ہیں

جبکہ قرآن میں اسکے خلاف نظریہ موجود ہے[8]۔اس طرح تقابل و موازنہ کے بنیادی اصول کے تحت حضرت یحییٰؑ کو اسینی معاشرے کا فرد ثابت کرنے کے لیے قرآن میں بتائی جانے والی انکی 'خواتین سے بے رغبتی کی خاصیت'' کو ''اسینی معاشرے'' میں پائی جانے والی اِسی خاصیت کو اُسی اصول کے تحت جوڑا جانا چاہیے جس اصول کے تحت ''اسینی معاشرے ''کی اِسی خاصیت کو ایک اصول بنا کر رومی مؤرخین[9] جوزفس اور فایلنی کے حوالہ جات کے بل بوتے پر قمرانی معاشرے کے افراد کے طور پر ثابت کر دیا گیا ہے۔ایک اعلیٰ پائے کی تحقیق یہ تقاضا کرتی ہے کہ جب ایک ہی طرح کی خاصیت دو مختلف جگہوں پر، دو مختلف ادوار میں، دو مختلف پس منظر میں بیان کی جائے اور پائی جائے تو مسیحی اصول ''Criterion of Multiple Attestation'' یا ''ایک سے زیادہ جگہ پائی جانے والی توثیق کی کسوٹی ''کے تحت دعویٰ کی صداقت اور قانونی جواز میں کوئی شک نہیں رہ جاتا اور دلائل میں پائی جانے والی خبر کی سچائی ناقابلِ تردید ہو جاتی ہے چنانچہ یہ قانونِ ربط اس جدید تحقیق کو ثابت کرتا ہے کہ یہ دو انبیاء ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ قمران میں رہ رہے تھے۔ یہ روشن دلیل ان قرآنی شہادتوں کو بلا سوچے سمجھے لاتعلق ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ان تمام عوامل کو ملا کر دیکھنا پڑے گا تاکہ قمران معاشرے پر درست تشخیص کی جا سکے چہ جائیکہ من گھڑت تخیّلاتی گھوڑے پر سواری کی جائے جسکی بدولت ابھی تک بحر مردار کی دستاویزات کے متعلق ہم کسی بھی حتمی رائے تک نہیں پہنچ سکے۔

اس لیے قرآن میں پائی جانے والی واضح اندرونی شہادتیں علماء کو اس امر پر مجبور کرتی ہیں کہ یہ مانا جائے کہ اسین، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ ایک ہی جگہ پر ایک ہی وقت میں ایک ہی معاشرے کا حصہ تھے۔ یہ نقطہ مزید

---

[8] The Qurʾān proclaims John as the precursor of Jesus (Kor 3, 38-39) whereas in Matt 3, 14 and John 1, 33 conflict with respect to their physical meeting *prima facie* therefore scholars differ on an explanation for this. More so, celibacy was characteristic of the Essenes as reported by the historian *Flavius Josephus*, and juxtaposing the same quality of John (Kor 3, 38-39) leaves no doubt that they lived as one community.

[9] Flavius Josephus, "Antiquities of the Jews", Book XVIII, ch. 1 (AJ 18.1.5) also retrieved from http://www.ccel.org/ccel/josephus/works/files/ant-18.htm and Pliny, "Natural History" Volume II: Books 3-7. Translated by H. Rackham. Loeb Classical Library 352, Cambridge, MA: Harvard University Press, 1942 retrieved from http://www.loebclassics.com/view/pliny_elder-natural_history/1938/pb_LCL352.277.xml

ایک ضمنی اور مربوط پہیلی "Jigsaw Puzzle[10]" کو کھول کر بیان کرنے کی سعی کرتا ہے۔افسوس کے ساتھ اس پہیلی کو ان دستاویزات پر کام کرنے والی "انٹرنیشنل ٹیم آف ایڈیٹرز" نے حل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ شاید کوئی چھپا ہوا اندرونی تعصب اس پہیلی کے حل کرنے میں مانع تھا۔ایک نظریہ اصحاب الکہف کے متعلق ہے۔مقالے کے اخذ شدہ نتائج اس امر کی وضاحت کریں گے کہ آیا ان دستاویزات کا 250ق م تا 70ء کی ٹائم لائن کے دورانیئے میں لکھے جانے والا نظریہ زیادہ قابل اعتماد اور معتبر ہے یا کہ قرآن کی اطلاع اور اس کی گواہی میں ان دستاویزات کی جغرافیائی شہادتوں کا "پنج جہتی تقابلی موازنہ" کی کسوٹی پر پرکھنے کا نظریہ زیادہ مضبوط ہے۔

اس اسینی معاشرے کے متعلق مروّجہ نظریہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے معاشرے کی برائیوں سے دوری اختیار کرتے ہوئے غاروں میں بسیرا کر لیا تھا تاکہ وہاں وہ اپنی زندگی تورات کی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں۔یہ نتیجہ خالصتاً تاریخی تحقیق اور اسینی معاشرے کے اہم امور کی مسیحی علماء کی طرف سے مکمل چھان بین کے بعد اخذ کیا گیا ہے۔اس گم گشتہ پہیلی کے حل کرنے کی طرف ایک اور قدم اٹھاتے ہوئے یہاں قرآن کریم کی چند متعلقہ آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے[11]۔یہ آیات ایک مخصوص واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی تھیں۔یہ واقعہ یہودیوں کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ پہلے بالواسطہ رابطے کی بدولت پیش آیا تھا۔چنانچہ اس واقعہ کو یہودیوں سے مخصوص کیا جا سکتا ہے۔

قدیم اسلامی مورخ اور مفسر ابن جریر الطبریؒ نے صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "قریش مکہ نے یہود مدینہ کی طرف اپنے دو سرداروں کو اس مقصد کے لیے بھیجا کہ وہ اہل کتاب ہونے کے ناطے ابراھیمی دین پر ہونے کے دعویدار نئے نبی کے دعوی کو جانچنے کے لیے کچھ رہنمائی کریں[12]"۔ان یہودیوں کے اٹھائے گئے سوالات کے مفصل جوابات اللہ تعالیٰ نے قرآن کی اٹھارویں سورۃ الکہف میں دیئے۔یہ سورۃ

---

[10] The word "Jigsaw Puzzle" is used as editorial work on these Dead Sea scrolls as it is described by the international scholars as trying to solve a jigsaw puzzle. See also Philip J Hilts, "Decipherers of Dead Sea Scrolls Turn to DNA Analysis for Help", New York Times, March 28, 1995. http://www.nytimes.com/. Also Times of Israel Staff, "Dead Sea Scrolls Project will Use Latest Tech to Solve 'Ultimate Jigsaw'", *The Times of Israel*, February 23, 2016. http://www.timesofisrael.com/

[11] Kor 18, 9-26

[12] Commentry of Ibn Ğarīr, *Tafseer Ibn e Jarir*, Book 15, p. 141. https://archive.org/stream/tafseer-al-tabari/taftabry15#page/n141/mode/2up.

اگر بحر مردار کی دستاویزات کی خوردبین سے دیکھی جائے تو اسینی معاشرے کے متعلق انتہائی منفرد تصویر کشی کرتی ہے۔

قرآن کے پارہ اٹھارہ کی آیت نمبر 25 کی تشریح

اس نظریہ کو سمجھنے کے لیے اصحابؓ الکہف کی نیند کے معین کردہ قرآنی وقت کے نحوی تجزیئے کی بنیادی ضرورت ہے تاکہ اسکے افعال کے مطلب اور جملے میں انکے عمل کی کلّی طور پر صاف صاف سمجھ آجائے۔ یہ آیت واحد مقام ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کی نیند کا کل وقت 309 سال[13] بتایا ہے۔ کچھ مسلم علماء اور مفسرین[14] کا خیال ہے کہ یہ لوگوں کی قولی بات دہرائی گئی ہے۔ یہ اللہ کا بتایا ہوا وقت نہیں ہے اور ناں ہی اللہ نے انکی ٹائم لائن بیان کی ہے[15]۔

اگر ہم نحوی تجزیہ و تحلیل کی بات کریں تو یہ قرآنی آیت ایک مرکب جملہ ہے جس میں دو علیحٰدہ علیحٰدہ جملوں کو حرفِ عطف 'و' سے جوڑا گیا ہے۔ جملے کے پہلے حصے میں اللہ اصحاب کہف کی نیند کا حساب اس پیمانے سے بتاتا ہے جس پیمانے سے اس نے انسانوں کو ماہ و سال گننے کی تاکید کی ہے مثلاً قمری کیلنڈر یعنی ہجری کیلنڈر۔ دوسرے جملے میں

---

[13] "And they remained in their Cave for three hundred years; and others added nine more years" (Kor 18, 25).

[14] This is supported by the Companion ʿAbdullāh Ibn Masʿūd and the historian Qatāda as narrated by commentaries of Kor 18, 25 by Ibn Ğarir and Ibn Kaṯir in their commentaries (however, the tradition of Ibn Masʿūd and Qatāda is declared disconnected [*munqata'*] in both cases by Ibn Kaṯir). See http://download3.quranurdu.com/Tafseer%20Ibn-e-Kaseer/15.pdf. Among modern scholars, Maududi advocated this; see http://www.tafheem.net/tafheem.html

[15] These scholars refer to the subsequent verse, Kor 18, 25: "Allah knows best about the period of their stay there". Maududi says, "We are of the opinion that the number of the years '300 and 309' have not been stated by Allah Himself but Allah has cited these as sayings of the people". Commentary of Maududi (Kor 18, 25), *Tafheem ul-Quran*, available at: http://www.tafheem.net/tafheem.html

اللہ نے بتایا ہے کہ شمسی حساب سے جولین کیلنڈر استعمال کرنے والے "دوسرے "لوگوں نے اس میں نو سال کا اضافہ کر دیا۔ ریاضی کے لحاظ سے دونوں صحیح ہیں۔ اس لیے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا کہ یہ لوگوں کا بتایا ہوا قول ہے (جولین کیلنڈر والوں نے)۔ علمِ الصَرفِ کے مطابق "دوسروں نے بڑھائے "باب آٹھ سے تعلق رکھنے والا فعل متعدی[16] کا صیغہ ہے۔ یہ وہ انتہائی اہم نقطہ ہے جسے وہ تمام علماء نظر انداز کر گئے اور نادانستگی میں جعلی اسرائیلی روایات کو ایک مضبوط حوالہ کے طور پر پیش کرنے لگ۔ اس آیت میں ایک قرآنی معجزہ کار فرما ہے جس کو انتہائی افسوس کے ساتھ متضاد تاویلات کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا۔

مسلم علماء مثلاً جلال الدین ؒمحلی، جلال الدین السیوطیؒ، مفتی شفیع عثمانیؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ وغیر ھم کے خیال میں اللہ نے اس آیت میں قمری اور شمسی دونوں کیلنڈرز استعمال کئے ہیں کیونکہ اللہ کے حکم[17] کے مطابق اسلامی کیلنڈر نئے چاند کے حساب سے بنایا جاتا ہے۔ ایک قمری سال 354.36768 دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مطلب یہ وہ وقت ہے جو چاند 12 مہینوں میں سورج کے گرد گھومنے میں لگاتا ہے۔ جبکہ ایک شمسی سال کے مطابق زمین سورج کے گرد گھومنے میں 365.242217 دن لگاتی ہے۔ پس اس طرح دونوں سالوں کی گنتی میں تقریبا 10.874537 یا گیارہ دنوں کا فرق سامنے آتا ہے۔ اس کو ریاضی[18] کی مدد سے انتہائی آسانی کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔ 300 قمری سال x11 دن (ہر سال کے دنوں کا فرق)=3300 دن۔ شمسی سال کے حساب سے یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ایک سال 365.242217 دنوں کا ہوتا ہے ہمارے سامنے آتا ہے کہ 3300/365.24=9 سال۔ دوسرے الفاظ میں قمری لحاظ سے 300 سال شمسی لحاظ سے 309 سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ قرآن کی یہ آیت بھی نو سال کا ہی فرق بتاتی ہے۔

---

[16] Transitive verbs require a direct object. In this case, the direct object for transitive verb "Others added" is "nine years". See http://corpus.quran.com/search.jsp?q=pos%3AV+%28viii%29&s=1&page=11

[17] "The number of months in the sight of Allah is twelve (in a year)" (Kor 9, 36).

[18] This mathematics is available easily on research sites.

اس وضاحت کے ساتھ ہم اپنی تحقیق کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اصحابؓ الکہف کے متعلق جگہوں کی مشہور روایات کی طرف نظر دوڑاتے ہیں۔

مرؤجہ جگہوں اور مقامات کے متعلق مشہور روایات

اس ضمن میں کئی ممکنہ جگہوں کے نام گردش کرتے ہیں جہاں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ شاید پیش آیا مگر دو مقامات آثار و قرآئن اور دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے خاص طور پر بہت مشہور ہیں۔

وادی الرجیب

اصحابؓ الکہف کی یہ غار بحر مردار کی جانب اردن کے دار الخلافہ عمان کے نزدیک ہے۔ یہ مقام عمان کے مشرق میں دس کلو میٹر دور الرجیب گاؤں کے نزدیک ہے۔ عمان سے بحر مردار سفر کرتے ہوئے آپ ان غاروں کے قریب سے گزرتے ہیں۔ اردن کے ماہر آثار قدیمہ رفیق وفا الداجانی نے بحر مردار کی دستاویزات کی دریافت کی بدولت کی جانے والی بھرپور کھدائی کے دوران اس غار کو دریافت کیا[19]۔ اس دریافت نے ثابت کیا کہ وہ سات نوجوان تھے جبکہ آٹھواں ان کا کتا تھا جو انکی حفاظت کے لیے دروازے پر دفن تھا۔ اس غار کی قمرانی غاروں سے قربت بحر مردار کی دستاویزات اور اصحابؓ الکہف کے درمیان مربوط رابطے کو پرکھنے کے لیے مخصوص توجہ کی طالب ہے۔

افسس، ترکی

افسس موجودہ ترکی میں پایا جانے والا ایک قدیم شہر ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اصحابؓ الکہف کا واقع یہاں پیش آیا۔ یہ شہر 11 قبل مسیح میں بسایا گیا اور بت پرستی کا ایک مشہور مرکز تھا۔ اسکی سب سے بڑا بت یونانی دیوی ڈیانا کا تھا

---

[19] Official website of Amman mainted by city Municiplity at http://www.ammancity.gov.jo/en/services/histdetails.asp?id=3

جسکا دربار قدیم دنیا کے سات عجوبوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ مقام اصحابؓ الکہف کی ایک مسیحی روایت[20] اور اس سے متعلقہ غاروں کی موجودگی[21] کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہی روایت مسیحی، مسلمان علماء اور مؤرخین مانتے اور اقتباس کرتے ہیں مثلاً گبن نے اس واقعہ کو رومی سلطنت پر لکھی گئی اپنی شہرہ آفاق کتاب[22] میں درج کیا ہے۔ اگرچہ یہاں پر افسس شہر کی تعظیم و احترام کا مزید تعارف کروانے کی گنجائش بدرجہا اتم موجود ہے مگر اس پر دوہرائی کے احساس کی وجہ سے تجزیئے کے دوران مزید بحث کی گئی ہے۔

مختلف اسلامی روایات کا سیر حاصل نچوڑ

مشہور اسلامی مبلغ یوسف ایسٹس نے اپنے ایک مقالے[23] میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ افسس ہی ممکنہ جگہ ہے۔ حالانکہ انھوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اسکا مقصد ایک علمی تحقیق ثابت کرنا نہیں ہے۔ بعدازاں اپنی تحریر کے تجزیئے میں اسی روایت کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح مشہور محقق اور مصنف ہارون یحییٰ[24] بھی افسس

---

[20] John Sanidopoulos, "Historicity of the Seven Sleepers of Ephesus". John briefly mentions biblical details of this tale. See http://www.johnsanidopoulos.com/2009/10/historicity-of-seven-sleepers-of.html

[21] W. Francis Ainsworth, "The Seven Sleepers of the Ephesus", *Campbell's Magazine* 5 (1844), p. 433-39. Available at https://books.google.com.pk/books?id=qJpEAQAAMAAJ

[22] Edward Gibbon, "The History of Decline and Fall of Roman Empire", vol. i, p. 1329.

[23] Joseph Islam says "Unknown to many Muslims a powerful well attested Christian tradition is associated with the cave sleepers who were considered natives of the city of Ephesus". This analysis is given at http://quransmessage.com/pdfs/Sleepers%20of%20the%20Cave.pdf

[24] Harun Yahya, "Perished Nations", London, Ta-Ha Publishers, 2001, p. 131. He says, "According to widespread belief, the Companions of the Cave who are praised both by Islamic and Christian sources were subjected to the cruel tyranny of the Roman Emperor, Decius 250CE... The most reasonable of these are Ephesus and Tarsus". Downloaded from http://www.harunyahya.com/en/Books/904/perished-nations.

کی روایت کی حمایت کرتے ہیں۔ برصغیر کے عظیم مسلم اسکالر مولانا ابوالعلی مودودی نے تفسیر 'تفہیم القرآن ''میں ان اصحاب پر پورا تحقیقی مقالہ[25] لکھا ہے جس میں وہ پر مغز دلائل کے ساتھ افسس کی روایت کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ اپنی تحقیق کا آغاز قدیم ترین جیکب کی بیان کی گئی 452 عیسوی کی شامی روایت سے کرتے ہیں۔ جس میں وہ مانتے ہیں کہ جیکب ان نوجوانوں کے فوت ہو جانے کے فوراً بعد پیدا ہوئے۔ یہ روایت 474 عیسوی میں ریکارڈ کی گئی اور بعدازاں مسیحی اور مسلم علماء میں پھیل گئی۔ مودودی یہ یقین جانتے ہیں کہ مسلم روایت کی بنیاد بھی اسی شامی روایت سے اٹھی ہے جو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں شامل کی ہے۔

مودودی کے تجزیات کا تنقیدی جائزہ

تنقیدی جائزے کے لیے مولانا مودودی کی تفسیر چننے کے کئی مقاصد ہیں۔ یہ ایک عالمی سطح پر کئی زبانوں میں پڑھی جانے والی شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ اس تفسیر کے نظریات و خیالات سے عام مسلمان اور غیر مسلم عمومی طور پر اقتباس کرتے ہیں۔ تفاسیر قرآنی میں اس اسرائیلی روایت کی موجودگی سے عام مسلمانوں کی اکثریت مسیحی عقائد سے لاشعوری طور پر حوصلہ افزائی اور تحریک پکڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ مزید برآں مودودی اس مسیحی روایت کے پرزور حمایتی ہیں۔ اس لیے انکے دیے گئے تجزیات کا تنقیدی جائزہ اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

ا۔ ٹائم لائن کے مسئلے کا جائزہ

[25] Maududi says that “The Seven Sleepers so closely resembles the story told by our commentators that both the versions seem to have been drawn from the same source. The resemblance between the two versions is so close that even the name of the companion whom the Sleepers sent to the city to buy food after waking up has been mentioned as ‘Jamblicha’ by the Muslim scholars and Jamblichus by Gibbon”. Available at http://englishtafsir.com/Quran/18/index.html#sdfootnote9sym

مودودی بشپ اسٹیفن[26] کی دی گئی ٹائم لائن کی شدت سے حمایت کرتے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ یہ نوجوان 309 سال تک سوتے رہے جبکہ گبن انکو بشپ اسٹیفن کی روایت کے تحت 187 سال کی نیند گنتا ہے۔ یہ واضح طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ ریاضی کی رو سے 300 اور 309 دونوں صحیح ہیں جس سے شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کے یہ وقت اللہ نے بتایا دیا ہے۔ اس لیے 309 سال کی نیند کو حق مانتے ہوئے آسان ریاضی استعمال کرتے ہوئے جب بشپ کے بیان کردہ 250 سالوں کو 309 سے نکالیں تو اس واقعہ کی تاریخ 141ء آتی جبکہ بشپ نے یہ واقعہ 250ء کا بتایا ہے۔ اسکو اگر دوسرے زاویئے سے دیکھا جائے جیسا کہ بشپ نے بتایا کہ یہ واقعہ 250ء میں پیش آیا۔ اگر اس میں قرآنی 309 سال شامل کر دیئے جائیں تو ان نوجوانوں کے اٹھنے کا سال 559ء نکلتا ہے جو بشپ کے دور حیات سے بھی آگے کا وقت ہے۔ بحر حال اس دلیل کی حمایت وہ طبقہ علماء نہیں کرے گا جو سمجھتے ہیں کہ یہ بتایا گیا وقت اللہ کا قول نہیں ہے اسی لیے وہ انجانے میں اسرائیلی روایت کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ وقت کے مسئلے کا یہ حساب کتاب ایک پر اثر تحقیق مانگتا ہے کیونکہ یہ تحقیق حیران کن نتائج سامنے لا سکتی ہے۔

سلطنت رومہ اور فاصلے کا تعین

رومی شہنشاہ ڈائیکلینین[27] نے انتظامی مسائل کی وجہ سے 285ء میں سلطنت رومہ کو شرقی اور غربی سلطنت میں تقسیم کر دیا تھا۔ بنیادی طور پر یہی تقسیم کچھ عرصہ کے بعد روم اور قسطنطنیہ کے درمیان مذہبی نظریاتی تقسیم کا بھی باعث بن گئی جس کو تاریخ میں 1054ء کی تقسیم عظیم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شہنشاہ دقیانوس نے مسیحیوں پر ظلم و ستم 250ء میں اس وقت شروع کیا تھا جب سلطنت رومہ کا دار الخلافہ روم میں تھا اور مذکورہ بالا انتظامی تقسیم زیر عمل نہیں آئی تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس دار الخلافہ کا فاصلہ افسس کے مقام سے تقریباً 2025 کلومیٹر ہے۔ شہنشاہ روم نے جب ان نوجوانوں کی تبدیلی مذہب کا سنا تو مودودی کی تفسیر کے

---

[26] The Editors of Encyclopædia Britannica, "Seven Sleepers of Ephesus", available at https://www.britannica.com/topic/Seven-Sleepers-of-Ephesus, and John Sanidopoulos, "Historicity of the Seven Sleepers of Ephesus", available at http://www.johnsanidopoulos.com/2009/10/historicity-of-seven-sleepers-of.html

[27] Jean Cousin, "Diocletian", Encyclopedia Britannica, 2015, available at https://www.britannica.com/biography/Diocletian

مطابق "اس نے انھیں بلایا"۔ شہنشاہ نے ان نوجوانوں کو یا تو دار لخلافہ روم بلایا ہو گا یا مختلف مسیحی روایات کے مطابق وہ خود "حادثاتی "طور پر اس وقت افسس میں موجود تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ سے پہلے اصحابؓ الکہف دس سے کم تعداد میں، اتنی بڑی سلطنت رومہ کے انتہائی عام سے باشندے تھے جن میں کوئی خوبی بھی نہیں تھی۔ ان نوجوانوں کی 187 سالہ (اسرائیلی روایات کے مطابق) نیند کے دوران دو انتہائی اہم واقعات پیش آچکے تھے۔ اولاً، سلطنت رومہ دو انتظامی حصوں میں تقسیم ہو گئی جس میں شرقی سلطنت رومہ (بازنطینی بادشاہت) کا دار لخلافہ قسطنطنیہ بن گیا۔ اسی سلطنت کی حدود کے اندر افسس کا مقام موجود ہے جبکہ غربی سلطنت رومہ کا دار لخلافہ روم ہی رہا۔ دوئم، اسی نیند کے دوران افسس کے مقام والی شرقی سلطنت رومہ (بازنطینی بادشاہت) کے فرمارواؤں نے 381ء میں تثلیثی مسیحیت کو اس سلطنت کا سرکاری مذہب بنانے کا اعلان کر دیا۔ اصحاب الکہف (قیاسی طور پر) اس وقت نیند سے بیدار ہوئے جس وقت شہنشاہ تھیوڈوسیس دوم (وفات 450ء) دار لخلافہ قسطنطنیہ سے حکومت کر رہا تھا، جسکا فاصلہ افسس سے 552 کلومیٹر کا ہے۔ مسیحی روایت سے ماخوذ مودودی کی اس تفسیر کے مطابق جب یہ لڑکے بیدار ہوئے تو شہنشاہ وقت کو اطلاع دی گئی جوان نوجوانوں سے ملنے کے لیے آیا دعائیں لینے کے بعد یہ نوجوان غار کے اندر چلے گئے اور فوت ہو گئے۔ یہ شہنشاہ یا تو اپنی اس عظیم الشان سلطنت کے سارے کونے کھدرے چھوڑ کر "اتفاقا "افسس میں موجود تھا یا ان نوجوانوں کے اٹھنے کے بعد شہنشاہ کو جب بتایا گیا تو وہ ان کو اپنی اس عظیم سلطنت کے دار لخلافہ سے 552 کلومیٹر کا سفر طے کر کے ملنے آیا ہو گا۔ اس ساری کاروائی میں اگر زیادہ نہیں تو کئی ہفتے لازماً لگے ہونگے جبکہ روایت میں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ نوجوان بس ایک دفعہ اٹھے جب وہ دوبارہ سوئے تو فوت ہو گئے۔ چنانچہ اس روایت کے مطابق اس وقت ان نوجوانوں کے اٹھنے کا ایک معجزہ نہیں ہوا تھا وہاں پر کم از کم تین معجزے برپا ہوئے تھے۔ جس میں دو مختلف ادوار میں دو مختلف شہنشاہ[28] ایک خاص جگہ پر ایک مخصوص وقت میں موجود تھے۔ یہ بھی مد نظر رکھا جائے کہ اس سلطنت کے انتظامی طور پر دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔

[28] W. Francis Ainsworth, "The Seven Sleepers of the Ephesus". A paragraph of interrogation states "I was put there last night with six other noble man, by the order of the Emperor (Note the Emperor's physical presence) and my name is Jamblichus". Gibbon says in his book "When the emperor Decius persecuted the

افسس کی روایت اور اسکا مسیحیت سے تعلق

افسس کی روایت کے پس منظر میں مسیحیوں کے انتہائی قابل تعظیم مسیحی جذبات کارفرما ہیں۔ بشپ اسٹیفن اور گبن نے اسکو اسی مذہبی حمیّت میں آگے بڑھایا ہے جس طرح کی مذہبی حمیّت مسلمان شہر مدینہ کے لیے رکھتے ہیں۔ افسس[29] ایک عام سی جگہ نہیں جس کو اس پوری سلطنت سے اس روایت کے لیے چنا گیا تھا۔ بشپ اسٹیفن اور گبن کٹر تثلیثی عقیدہ رکھنے والے تھے جنھوں نے کسی بھی موقعہ پر توحیدی عقائد کی پرچار نہیں کی۔ دوسری طرف اصحابؓ الکہف مسلم تھے۔ افسس ان نوجوانوں کے اٹھنے کے وقت ایک عظیم تثلیثی مسیحی مرکز تھا۔ اللہ نے انتہائی واضح الفاظ میں تثلیثی عقیدے کی قرآن میں نفی کی ہے[30]۔ اس لیے مسلم علماء کو ان نوجوانوں کے مسیحی عقیدے کو بیان

Christians, seven noble youths of Ephesus concealed themselves in a spacious cavern in the side of an adjacent mountain where they were doomed to perish by the tyrant, who gave orders (Note the physical presence) that the entrance should be firmly secured with a pile of huge stones", and in same paragraph Gibbon says "as it is said, the emperor Theodosius himself (Note the physical presence) hastened to visit the cavern of the Seven Sleepers, who bestowed their benediction, related their story, and at the same instant peaceably expired".

[29] In the bible, the famous ancient city of Ephesus is mentioned in Acts 18, 19-24, 19, 1-35 etc, having terraced houses, the basilica of John, and the Ephesus archaeological museum as Christian pilgrimage sites. Ephesus was also the site of Temple of Artemis—one of seven wonders of the ancient world. There is also the theatre where some 24,000 citizens of Ephesus gathered, shouting "Great is Artemis!", during a riot started in response to Paul's ministry there. The Apostle visited this city during his second missionary journey (Acts 18, 18–21) and returned during his third missionary journey (Acts 19, 1–20, 1). Timothy later served as pastor in this city, during which time Paul wrote him two letters (1 and 2 Timothy). Some years later Ephesus served as the home base for the Apostle John's ministry, from where he wrote a number of letters (1, 2, 3 John) and to which he sent the Book of Revelation. See http://www.bibleplaces.com/ephesus/

[30] "They have certainly disbelieved who say, Allah is the third of three. And there is no god except one God. And if they do not desist from what they are saying, there will surely afflict the disbelievers among them a painful punishment" (Kor 5, 73).

کرتے وقت اس امر پر لازمی طور پر غور کرنا چاہیے۔ پھر بھی اگر مودودی کا نقطہ نظر[31] دیکھا جائے کہ زیادہ تر لوگ مسیحی ہو چکے تھے اور وہ یہ لکھتے ہیں کہ شہنشاہ تھیوڈوسس دوم نے اللہ سے دعا کی کہ خدا اسکو حیات بعداز موت کی کوئی نشانی دکھائے جس کے نتیجے میں یہ نوجوان زندہ کیے گئے تو اس وقت یہ لازم ہو جاتا ہے کہ شہنشاہ تھیوڈوسس دوم کے اپنے عقیدے کو بھی دیکھ لیا جائے۔ شہنشاہ تھیوڈوسس دوم کا دادا شہنشاہ تھیوڈوسس ون موجودہ مسیحی یورپ کا بانی ہے کیونکہ اس نے 380ء میں بت پرست یورپ کو ایک عظیم مسیحی تثلیثی سلطنت رومہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ شہنشاہ تھیوڈوسس دوم نے اپنے وقت کے بہت بڑے مسیحی تفرقاتی مسئلے نسطوریت اور یوٹیکین ازم کے درمیان مصلح کا کردار ادا کر کے اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف کامیاب قدم اٹھایا تھا۔ یہ کسی بھی پیمانے سے چھوٹے اعزاز نہیں ہیں اور مطلقاً یہی وجہ ہے کہ مسیحی دنیا سلطنت رومہ اور افسس کا اس قدر احترام کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ تثلیثیت کو اللہ نے سختی سے رد کر دیا ہے اور اس روایت میں ایک کافر شہنشاہ اپنے خدا سے یہ دعا مانگتا ہے کہ اسکا خدا اسکو حیات بعداز موت کی کوئی ایسی نشانی دکھائے جس سے اس کے جھوٹے عقائد کی سچائی کا ثبوت مل سکے۔ ایک سچا خدا کبھی کوئی ایسی نشانی نہیں دکھائے گا جس سے جھوٹے عقائد کو صحیح ثابت کرنے کی دلیل مل سکے جس پر ایمان لا کر پوری کی پوری خلقتِ خدا گمراہی میں پڑ جائے۔ شومئی قسمت اس واقعہ کی مذموم مقاصد کے ساتھ اس وقت غلط تشہیر سے بالکل ایسا ہی ہوا۔ کیا خدا انسانوں کے ساتھ کھیل کھیل رہا ہے؟ ایک سچا خدا ایسا کبھی نہیں کرے گا یہ اگرچہ ممکن ہے کہ سچ دکھایا گیا ہو مگر سمجھا یا غلط گیا ہو۔

مسیحیت پر ظلم وستم کی حقیقت کا تعین

[31] Maududi cites this in his commentary: "As most of the population had embraced Christianity or faith of Jesus". Available at http://englishtafsir.com/Quran/18/index.html#sdfootnote17sym

اس بنیادی دلیل کو دوام دینے کے لیے تثلیثیت کا توحیدیوں (Unitarians) کے خلاف نظریاتی رویہ مسیحی تاریخ اور کتب میں بدرجہا اتم موجود ہے۔اس کی مشہور ترین مثال وہ رویہ ہے جو اس تثلیثی مسیحیت نے اپنے عظیم پوپ ہنوریس اول (وفات 638ء) کے ساتھ کیا۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دور میں رومی شہنشاہ ہرکولیس نے مسیحیت کے اندر وحدانیت کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ جواباً ہرکولیس کے دیے گیے فارمولے کی اس پوپ نے خط وکتابت میں حمایت کر دی جس کی مدد سے نظریہ توحید اور باقی ماندہ کیتھولک تثلیثی مسلک کے درمیان تفاوت کے خاتمے میں مدد مل سکتی تھی۔اس پوپ کو قسطنطنیہ کی تیسری عالمگیر کونسل منعقدہ 680ء نے اسکے توحیدی عقیدے کی طرف میلان کی وجہ سے بعداز موت ملعون (Condemned) کر دیا[32]۔

مسیحیوں پر ظلم و ستم حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کے بعد شروع ہو گیا۔ مثلاً شہنشاہ نیرو نے ان مسیحیوں کو بلا امتیازِ فرقہ روم کی عظیم آتشزدگی کا قصوروار قرار دے دیا۔بت پرست رومیوں کے لیے مسیحی، یہودی مسیحی یا یہودیوں میں کوئی تمیز نہیں تھی۔یہ سب انکی سلطنت کی معمولی رعایا تھے۔یہ رعایا انکے خداؤں کے آگے جھکنے سے انکار کرتی تھی اور یہی بلا امتیاز مذہب، فرقہ و نظریہ ان سب پر ہونے والے ظلم و زیادتی کی بنیاد تھی۔ اس میں توحیدی (Unitarians) (اسینی معاشرہ) یا تثلیثی (Trinitarians) (مثلاً سینٹ پولس وغیرہ جسکے متعلق مشہور ہے کے اسے رومیوں نے قتل کیا) نظریات رکھنے والے سب مسیحی اور یہودی بلا شرکت غیرے شامل تھے[33]۔ یہ وہی وقت تھا جب ایک طرف سینٹ پولس اپنے تثلیثی مذہب کی تبلیغ و ترویج میں شدت سے مشغول تھا اور دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ کا سچا پیروکار اسینی معاشرہ غاروں میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔ یہ وقت، تاریخی حقیقت اور عمل مسلم علماء کی اکثریت (بشمول مودودی) نے مس کر دیا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مسیحی یورپ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار تھے۔بت پرست سلطنت رومہ نے 380ء میں باقاعدہ مسیحیت قبول کی جس کے بعد سلطنت رومہ نے توحیدیوں

---

[32] The Editors of Encyclopædia Britannica, "Honorius I", in Encyclopedia Britannica, 1998. Available at https://www.britannica.com/biography/Honorius-I

[33] Dennis Prager, and Joseph Telushkin, "The Nine Questions People Ask About Judaism", p. 78-91. They cite, "Some 50,000 to 100,000 Jews were themselves crucified by the Romans in the first century". Available at http://www.jewishvirtuallibrary.org/jsource/anti-semitism/jesus.html

(Unitarians) کے خلاف ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے اور لاکھوں توحیدی (Unitarians) اپنے توحیدی عقائد کی وجہ سے قتل کر دیے گئے۔ یہ وہی وقت ہے جس وقت یہ نوجوان بیدار ہوئے چنانچہ بفرض محال مسیحی روایت کو ہی سچ مان لیا جائے تو انکی بیداری کے وقت توحیدی عقائد پر شدید ترین کٹھن دور جاری تھا اور اٹھنے پر انکا واسطہ توحیدی نہیں بلکہ تثلیثی عقائد والے مسیحیوں سے پڑا تھا جو انکی جانوں کے درپے تھے۔

اسی تناظر میں جبکہ مسلم علماء و مفسرین یہ خیال رکھتے ہیں کہ بادشاہ دقیانوس توحیدیوں پر ظلم کر رہا تھا تو اس امر پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ بالخصوص کس مسیحی فرقے پر وہ ظلم کر رہا تھا۔ تاریخ میں اسکے مظالم پر دستاویزات موجود ہیں جن کا نام "Seventh Persecution under Decius-249AD" یا "دقیانوس کے زیر سایہ ساتویں ظلم کی لہر۔ 249ء" ہے۔ دقیانوس کے ان مظالم کے شکار مشہور ناموں سے ایک نام خود روم کے پوپ بشپ سینٹ فوبین کا ہے جو تثلیثی عقیدہ کا امام تھا[34]!

بظاہر یہ روایت موجودہ حالت میں "پنج جہتی تقابلی موازنہ" کے مد نظر انتہائی کھوکھلی ہے۔ اس روایت میں پہلے کسی نے اسے بلا تحقیق شائع کر دیا اور پھر مفسرین پوری شد و مد کے ساتھ اسکی حمایت کرنے لگ پڑے۔ اللہ نے "ان سے[35]" (اسم ضمیر جمع مذکر غائب) پوچھنے کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ اس آیت میں موجود "ان سے "کون ہیں جن سے اللہ نے پوچھنے سے منع کیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام تحقیقات کے جائزہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلم علماء نے "انکی" من گھڑت مسیحی روایت "ان سے" لے کر اسکا پرچار شروع کر دیا۔ اس طرح غیر ارادی طور پر ان مسلم علماء نے تثلیثی

---

[34] The Encyclopedia Britannica says, "A large number of Christians defied the government, for which the bishops of Rome, Jerusalem, and Antioch lost their lives and many others were arrested. See http://www.britannica.com/biography/Decius. Also, the Catholic Encyclopedia says, "Fabian died a martyr (250 CE) at the beginning of the Decian persecution" cf Meier, Gabriel. "Pope St. Fabian." The Catholic Encyclopedia. Vol. 5. New York: Robert Appleton Company, 1909. 21 Feb. 2017 <http://www.newadvent.org/cathen/05742d.htm> .

[35] There are a few people only who know their correct number: so you should not enter into discussions *with them* about their number except in a cursory way: nor ask anyone about them" (Kor 18, 22).

مسیحیت کی سچائی پر مہر ثبت کر دی۔ کیتھولک مسیحی فرقہ اس پر انتہائی مسرور اور پھولے نہیں سمارہا کہ اس طرح تثلیثی عقیدہ ایک توحیدی قرآن میں شامل ہو گیا۔ انکے یہ جذبات گبن کے ان الفاظ سے صاف طور پر جھلکتے نظر آتے ہیں۔ گبن نے لکھا "سات نوجوانوں کی کہانی پر بنگال سے افریقہ تک کی مسلمان اقوام نے فخر کیا اور اسے اپنالیا"[36]۔

یہ کافی حد تک ممکن ہے کہ مسلم علماء نے اس واقعہ کو آیت کے دوسرے حصے کی وجہ سے سر سری طور پر دیکھا مگر اسکا بھی یہ مطلب ہر گز نہیں کہ "انکی طرف سے" سیاق وسباق سے باہر کے حوالوں سے اقتباس کیا جائے۔

مفتی شفیع عثمانی کی تحقیق

اس ضمن میں تفسیر معارف القرآن کی اٹھارویں سورۃ کی تفسیر سب سے زیادہ واضح، مفصل اور غیر جانبدار ہے جو اس کے تمام پہلوؤں، نئی اور پرانی روایات پر روشنی ڈالتی ہے۔ مفتی شفیع عثمانی نے لکھا ہے "اوپر دی گئی خبروں اور روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقررین نے تین جگہوں کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، "عقبہ کے نزدیک ایلاء، اندلس کے نزدیک کی غار اور افسس میں موجود غار"[37]۔ مفتی عثمانی نے صرف روایات قلم بند کیں اور اپنی رائے سے گریز کر کے احسن قدم اٹھایا۔ لیکن انکی تفسیر کے بعد کے حصے سے ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی بادشاہ دقیانوس والی روایت کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے مزید تفسیری اظہار رائے اسی واقعہ کے پیرائے میں بیان کی ہیں۔

مفتی شفیع عثمانی کی تحقیق کا تنقیدی جائزہ

[36] Edward Gibbon, “The History of Decline and Fall of Roman Empire”, vol. i, p. 1330-35.

[37] Mufti Shafi Uthmani, *Mārif al-Qurān*, vol. v, p. 561. Available at www.maarifulquran.net/index.php/maarifulquran-english-pdf

ا۔ مفتی شفیع عثمانی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہودیوں کا مسیحیوں کی روایت کے متعلق سوال میں کسی تعصب کا عمل دخل نہیں تھا[38]۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ لاشعوری طور پر وہ بھی اسکو ایک مسیحی روایت سمجھتے ہیں۔ مزید برآں اسی متضاد نظریات پر مشتمل تعصب کی بنیاد پر لاکھوں یہودی قتل کیے جا چکے ہیں۔ یہ نظریات کم از کم بحر مردار کی دستاویزات کی دریافت سے پہلے تک ایک جگہ پر اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک ہی اعتراضی فرق کی مثال لے لیتے ہیں مثلاً اصحاب الکہف کے نظریات جو حضرت عیسیٰؑ کے سچے پیروکار تھے (جن کو آج کل کی مسیحیت خدا مانتی ہے) اور یہودی ایک جھوٹا نبی مانتے ہیں (نعوذ باللہ)۔ اس پر مزید یہ کہ یہ سورۃ انھی ظلم زدہ یہودیوں کے ایک قبیلہ کی طرف سے کیے گئے سوال کے جواب میں اتری تھی۔

مزید براں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور یروشلم کے پادری کے درمیان یروشلم کو مسلمانوں کے حوالے کرتے ہوئے دستخط شدہ معاہدہ 638 عیسوی کے مندرجات سے ہی اس وقت کے یہود و نصاریٰ کے درمیان کشیدہ تعلقات کی حدت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس معاہدے کی یہ شرط کے یہودیوں کو یروشلم میں داخلے کی اجازت نہیں ہو گی اس پادری کے اصرار پر معاہدہ میں شامل کی گئی تھی[39]۔ یہودی کو بشمول یہود مدینہ ماسوائے سالانہ قربانی کے یروشلم میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے تعصب کی غیر موجودگی سے متعلق دلیل شاید مفتی شفیع عثمانی کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہو گی لیکن اس تحقیق کے لیے بہت اہم ہے۔ یہودی اس وقت ایک مسیحی عقیدے کی تبلیغ و ترویج کبھی نہیں چاہتے تھے جسکو وہ شروع دن سے ہی جھٹلاتے تھے۔

2۔ مفتی شفیع عثمانی نے ایک اشارہ دیا ہے کہ قمران کی غاروں کی دریافت کے بعد سے اردنی آثار قدیمہ نے ہر طرف کھدائی کا آغاز کیا جسکی بدولت وادی الرجیب کی غاریں دریافت ہوئی تھیں۔ اس اشارے سے اس بات پر دلیل قائم ہو سکتی ہے کہ اصحاب الکہف اور قمرانی غاروں کے رہائشی اسینی معاشرے کے درمیان کوئی تعلق قائم کیا جا سکتا ہے[40]۔

---

[38] Ibid, p. 586.

[39] The treaty says, "No Jew will live with them in Jerusalem"; cited in Firas Alkhateeb, "Jerusalem and Umar Ibn Al-Khattab", 2012. Available at http://lostislamichistory.com.

[40] Mufti Shafi Uthmani, *Mārif al-Qurān*, vol. v, p. 581.

۳۔ مفتی شفیع عثمانی نے اشارہ دیا ہے کی "یہ بعد از رفع عیسیٰ " کا واقعہ ہے اس لیے اسکے بعد کے وقت میں ان نوجوانوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے"[41]۔ یہ ایک شاندار تجزیہ ہے اور اس مقالے میں ان نوجوانوں کو اسی وقت میں تلاش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

بحر مردار کی دستاویزات کے استنباط سے جدید ترین تحقیق

اللہ تعالیٰ نے انتہائی حیرت انگیز انداز سے سورۃ الکہف کا جواب ایک جگہ "الرقیم[42]" کے نام سے شروع کیا ہے۔ اس سے بھی حیرانگی کی بات ہے کہ بحر مردار کی دستاویزات میں سے بھی ایک مخطوطے میں "الرقیم[43]" کا ذکر ملتا ہے۔ ان دو مختلف جگہوں میں لکھے اور پائے گئے ایک ہی نام کے درمیان کسی منطقی ہم آہنگی کا امکان پایا جا سکتا ہے۔ اگر اسی طرح کا کوئی اور ہم آہنگ سراغ ہمیں ان دستاویزات سے مل جاتا ہے تو یہ ہم آہنگی امکانات اور صلاحیتوں سے بھر جاتی ہے۔ اس تحقیق نے یہ سراغ بحر مردار کی دستاویزات میں دریافت ہونے والی نبی حبقوق کی تفسیر کے بیچ میں سے ڈھونڈ نکالا ہے (اس پر بعد میں بحث کی جائے گی)۔ اس ہم آہنگی کی بدولت انتہائی "خطرناک" امکانات سامنے آتے ہیں جو ایک طرف ان دستاویزات کی 250ق م سے 70ء کے درمیانی وقت[44] میں لکھائی سے متعلق پائے

---

[41] Ibid, p. 586.

[42] *am ḥasibta anna aṣḥāba l-kahfi wa al-raqīmi kānū min āyātinā ʿağaba* (Kor 18, 9).

[43] Scroll 4Q462 Fragment says, [. . . Shem and] Ham and Japhe̱t [. . .] 3[. . .] to Jacob, and he [said . . .] and remembered [. . .] 4[. . .] to Israel [. . .] Then [they] shall say [. . .] s[. . .] to ***Rekem*** we went, for [. . .] was taken [. . .] 6[. . .] to slaves for Jacob in love [. . .] 7[. . . he will] give it as a possession to many. Dots inside brackets are missing portion of scrolls. See also http://www.nbz.com.br/igrejavirtual/qumran/Site4/dssmeditation.htm

[44] This academic error is comitted by biblical scholars because of widespread disassociating of DSS studies from the Qurʾān. Therefore, they intentionally or unintentionally miss out many important inferences like this one.

جانے والے موجودہ عالمی تسلیم شدہ مسیحی اتفاق رائے کی دھجیاں اڑا سکتا ہے اور دوسری طرف مرؤجہ اور زبردستی مستعار لی گئی اس مسیحی روایت سے دھیان ہٹا کر توجہ کو ایک یہودی روایت کی طرف لے جاتا ہے۔

الرقیم کی وضاحت

مفتی شفیع عثمانی نے اندازہ لگایا ہے کہ اصحاب الکہف اور الرقیم کے لوگ ایک مقام سے ہی تعلق رکھنے والے دو مختلف نام ہیں[45]۔ بالخصوص بحر مردار کی دستاویزات میں پایا جانے والا ایک دستاویزی ٹکڑا (Scroll 4Q462) بھی ایک نام "**Rekem**" کا ذکر کرتا ہے۔ ایک نظریہ پایا جاتا ہے کہ شاید جوزفس نے اپنی یاداشتوں میں پیٹرا اور الرقیم کو آپس میں کنفیوز کر دیا تھا کیونکہ آرامی زبان میں "پیٹرا" کو "الرقیم" کہتے ہیں۔ لیکن اسی کو "کادیس" یا "اسرائیل" بھی کہا جاتا ہے[46]۔

کادیس یا "قدیس" جس کو "کادیس بارنئیہ" بھی کہا جاتا ہے اسکا ذکر بائیبل میں دس مقامات پر ہے۔ یہ مقام ایک انتہائی محترم تاریخی مقام کے طور پر جانا جاتا ہے جس کا تعلق شاید خروج کے اہم تاریخی واقعے سے ہے۔ اس لیے موجودہ حوالے ہمیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ شاید "الرقیم"، "کادیس" یا "اسرائیل" کا ہی نام ہے جو اسرائیل کی جنوبی سرحد کی حدبندی کرتا ہے[47]۔ اب آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کی کیوں تابعی کعبؒ بن الاخبار نے یہ کہا کہ رقیم اس جگہ کا نام ہے جس میں یہ اصحابؓ الکہف رہتے تھے[48]۔ کعبؒ ابن الاخبار اسلام لانے سے پہلے ایک مشہور یہودی رابی تھے اور اسلام میں اسرائیلی روایات کے خالق تصور کیے جاتے ہیں۔

---

[45] Mufti Shafi Uthmani, *Mārif al-Qurā*n, vol. v, p. 574

[46] It is pertinent to mention that Josephus, Eusebius and Jerome assert that *Rekem* was the native name, and this name appears in the DSS as a prominent Edomite site most closely describing Petra, and associated with Mount Seir. But in the Aramaic versions, *Rekem is the name of Kadesh (Israel)*, suggesting that Josephus may have confused the two. See http://petraisrael.com/petra-faq/about-petra/ . See also Flavius Josephus, *Antiquities of the Jew*, Loeb Classical Library, London, 1961, iv.vii.§1. (Same mistake is committed by writer of famous book, Stories of Prophets in Quran "قصص الانبیاء")

[47] In Gen 14, 7; Num 13, 3-26, 14, 29-33, 20, 1, 27, 14, 34 4; Josh 15, 3; Ezek 47, 19.

[48] Mufti Shafi Uthmani, *Mārif al-Qurān*, vol. v, p. 574.

اصحاب الکہف کے متعلق قرآنی آیات کہ موازنہ سے حتمی اندازہ

قرآن میں اصحابؓ الکہف کا ذکر سورۃ الکہف کی آیات 9 سے 26 تک آیا ہے۔ مرؤجہ روایت کو ایک نئے نقطہ نظر، احاطہ مرتکز اور "پانچ جہتی تقابلی موازنہ" سے استنباط کے نظریہ کی رو سے یک بارگی پانچ بڑے تاریخی مضامین سے کھنگالا گیا ہے تاکہ بے مثل نتائج پر پہنچا جاسکے. یہ طریقہ کار منفرد ہے جس میں قرآنی آیات (قرآن 26-18:9) اور اسکے مخصوص حصوں کو تاریخی حوالوں سے تفصیلاً دیکھا گیا ہے۔

1۔ أَنَّ أَصحابَ الكَهفِ وَالرَّقيمِ

ترجمہ "کہ غار اور الرقیم والے" (قرآن 18:9)۔ اس آیت میں دی گئی جگہ کو قرآنی آیات، بحر مردار میں پائی گئی مضبوط شہادتوں اور ان کی وجہ سے ہونے والی اردنی کھدائی کی بدولت 1963ء میں دریافت شدہ غار اور قبروں کی وجہ سے "وادی الرجیب" مانا جاسکتا ہے۔

2۔ إِنَّهُم فِتيَةٌ آمَنوا بِرَبِّهِم وَزِدناهُم هُدًى

ترجمہ "وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی" (قرآن 18:13)۔ یہ آیت ان نوجوانوں کے ایمان کی کیفیت اور قبولیت کو بیان کرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کی وہ صاحبِ ایمان تھے اور ہم نے ان کے ایمان میں اضافہ کیا تھا۔ تنا قضانہ طور پر مسلم علماء ایک طرف تو ان نوجوانوں کو حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار کہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یورپ کی اس وقت کی پالن مسیحیت کے ساتھ ان کو لا جوڑتے ہیں جبکہ یہ دونوں نظریات میلوں دور ہیں۔ روم کی مسیحیت کو اللہ نے قرآن میں کفر قرار دیا ہے جبکہ یہ آیت ان نوجوانوں کو ناں صرف مومن ثابت کرتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اللہ نے ان کے ایمان میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس تناظر میں یہ دونوں باتیں ایک نظریاتی ٹوکری میں کبھی بھی نہیں ہو سکتیں۔

3۔ لَن نَدعُوَ مِن دونِهِ إِلٰهًا

ترجمہ "ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے"(قرآن 18:14)۔یہ آیت اس بات کی غماز ہے کہ کوئی اور لوگ ان اصحاب کو ایک خدا کو چھوڑ کر اور دیوتاؤں کی طرف بلا رہے تھے۔پہلی صدی عیسوی سے لے کر 250ء تک (مسیحیوں کے مطابق) یہ لوگ یہودی، یہودی مسیحی، بت پرست رومی یا رومی پولسی مسیحی ہو سکتے تھے۔یہاں پر کتاب اعمال کی آیت 17:18[49] کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جس میں کچھ لوگوں کا ذکر ہے جو سینٹ پال (فاریسی) کے متعلق بات کر رہے ہیں کہ یہ شخص خدا کے علاوہ کچھ اور دیوتاؤں کی تبلیغ کر رہا ہے۔کتاب اعمال کے مصنف کو اس بات کا بہت اچھی طرح پتا تھا کہ وہ کیا بات کر رہا ہے اس لیے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ہی فوراً اسی کلمے کے ساتھ اسکی صفائی بھی خود ہی پیش کر دی کہ "انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ یسوع مسیح اور قیامت سے متعلق اچھی خبریں دے رہا تھا[50]"۔یہ خیال اس امر سے مزید مضبوطی پکڑتا ہے کہ پال کے یہودیوں سے علیحدہ ہونے کی بنیادی وجہ وہ خیالات تھے جس کے تحت پال حضرت عیسیٰؑ کا تعارف جینٹائلز یعنی غیر یہودیوں میں کروا رہا تھا۔اس تعارف نے آخر کار حضرت عیسیٰؑ کا مقام ایک انسان سے بڑھا کر ایک خدا تک پہنچا دیا اور بات مسیحیت کی تثلیثی عقائد تک جا پہنچی ۔ایسے لگتا ہے کہ کتاب اعمال میں درج وہ "خوشخبری" بنیادی طور پر ایک خدا کے ساتھ دیوتا (تثلیثی خدا) شامل کرنے کی تھی۔

4۔ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً

ترجمہ "یہ ہماری قوم تو ربِّ کائنات کو چھوڑ کر دوسرے خدا بنا بیٹھی ہے"(قرآن 18:15)۔یہاں پر لفظ "هٰٓؤُلَآءِ" قوم کے اس فرقے کے متعلق استعمال ہوا ہے جو اصحابؓ الکہف کے مقابلے میں غیر معمولی طور پر مضبوط تھا۔

---

[49] “Also some of the Epicurean and Stoic philosophers were conversing with him, and some were asking, ‘What does this foolish babbler (Paul) want to say?’ Others said, ‘He seems to be a proclaimer of foreign gods’-

[50] However, Ellicott’s Commentary says that St. Paul’s hearers saw in the word *Anastasis* (= Resurrection) the name of a new goddess, representing the idea of immortality, to be worshipped in conjunction with Jesus, and therefore they used the plural and spoke of his bringing in “strange gods”. Retrieved from http://biblehub.com/commentaries/acts/17-18.htm

اسکا واضح طور پر مطلب ہے کہ جو لوگ ان اصحاب پر دباؤ ڈال رہے تھے وہ انکی قوم کا ہی ایک حصہ تھے۔ اصحابؓ الکہف بھی اس آیت کی رو سے اس بات پر قائل تھے کہ دباؤ ڈالنے والے لوگ ان کا اپنا ہی ایک حصہ تھے۔ پہلی صدی کی مسیحیت میں " یہ دباؤ ڈالنے والے " یہودیوں میں سے ہی ہو سکتے تھے اور اسکا زیرو فیصد بھی امکان نہیں کہ وہ غیر یہودیوں سے ہوتے کیونکہ اصحابؓ الکہف نے انکو " یہ ہماری قوم " کہہ کر پکارا ہے۔ اس وقت اس علاقے میں صرف ایک ہی قوم یہود تھی باقی سب انکے نظریات کے مطابق جینٹائلز (غیر یہودی) تھے یہ یہودی اپنے علاوہ کسی کو قوم تصور نہیں کرتے تھے اور یہ صورتحال ہنوز جاری وساری ہے۔ مسیحی طبقہ فکر اس بات پر عمومی طور پر قائل ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں یہودیوں کا صرف ایک ہی طبقہ تورات پر حقیقتاً کاربند تھا اور وہ اسینی معاشرہ تھا۔ یہ لوگ قمران کی غاروں میں رہتے تھے اور رفع عیسیٰؑ کے بعد ایک خدا کے علاوہ کسی دیوتا کے آگے نہیں جھکتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ضرورت اس امر کی ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ کونسے یہودی تھے جو ایک خدا کو چھوڑ کر دیوتاؤں اور خداؤں کی تقلید میں لگ گئے تھے۔ اگر قرآن کی آیت نمبر 18:15 اور بائیبل کی کتاب اعمال 17:18 کا موازنہ کیا جائے تو اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ سینٹ پال مبینہ طور پر وہ شخص ہے جو ایک خدا کے علاوہ دوسرے خداؤں (تثلیثی عقیدے) کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا۔ ممکنہ طور پر "وہ دباؤ ڈالنے والے" "فاریسی یا صدوقی طبقہ فکر" والے لوگ تھے جنھوں نے سینٹ پال کا ساتھ دیا اور جینٹائلز (غیر یہودیوں) کی صفوں میں شامل ہو گئے اور حضرت عیسیٰؑ کا مقام ایک انسان سے خدا تک پہنچا دیا۔ یہ یہودی طبقہ بالخصوص سینٹ پال در حقیقت غیر یہودی رومیوں کے ساتھ اس حد تک اچھے تعلقات رکھتے تھے کہ انھوں نے رومی گورنر پلاطس کے ساتھ سازش کے تحت حضرت عیسیٰؑ کو مبینہ طور پر مصلوب کیا تھا (متی 27:1)۔ یہی رومی سینٹ پال کی جان بچانے کے لیے دوڑے آئے (اعمال 37-31:21) اور سینٹ پال بظاہر اپنے غیر یہودی ہونے پر فخر کرتا تھا (اعمال 22:28)۔

5۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

ترجمہ "آخر اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟" (قرآن 18:15)۔ اس طرح کی آیت "فمن اظلم" کے الفاظ کے ساتھ قرآن میں چار مقام پر آئی ہے[51] اور "ومن اظلم" کے ساتھ پانچ دفعہ اور مزید چھے دفعہ کسی اور معنوں اور الفاظ میں آئی ہے[52]۔ بحر حال یہ مخصوص آیت بحر مردار کی دستاویزات کے پس منظر میں اور اس کے اصحابؓ الکہف کے ساتھ تعلق میں موجودہ الفاظ میں بہت ہی اہم معنی رکھتی ہے۔ اس کے ظاہری معنی تو آیت سے ہی واضح ہیں مگر اس کے ایک چھپے ہوئے معنی بھی ہیں اور اس معنی کی سمجھ اور فہم اس آیت کو حیرت انگیز طور پر بحر مردار کی دستاویزات کے دروازے تک لے جاتی ہیں۔ بحر مردار کی دستاویزات سے دریافت شدہ نبی حبقوق کی تفسیری شرح[53] (1QpHab) بھی ایک ظالم شخص "Wicked Person" اور ایک جھوٹے "A Lie" کی بات کرتی ہے۔ یہ دستاویز ان پہلی دستاویزات میں سے ہے جو 1947ء میں ملی تھیں اور 1951ء میں شائع ہوئی تھیں۔ ظالم شخص "Wicked Person" کی اصطلاح اس شرح میں چار دفعہ "راست باز استاد-"The Teacher of the Righteousness" کے حریف اور ایک جھوٹے "A Lie" کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔ نبی حبقوق کی شرح کی تحقیق میں ظالم شخص "Wicked Person"، "راست باز استاد-The Teacher of the Righteousness" اور جھوٹے "A Lie" کی اصطلاحیں بنیادی نقطہ مرتکز کے طور پر استعمال ہوتیں ہیں۔ عالمی سطح پر تسلیم شدہ بحر مردار کی دستاویزات کے ایک مخصوص دور (140 ق م تا 150 ق م) میں کم از کم پانچ بڑے پادری شامل ہیں، ان میں تین یونانی ثقافت سے اثر شدہ (Hellenized) اور دو میکابئین (Maccabean) شامل ہیں[54]۔ اس تسلیم شدہ ٹائم لائن سے باہر کئی علماء

---

[51]Kor 6, 144; 7, 27; 10, 17; 18, 15.

[52]Dr Sāʿād ʿAbd al-Mağīd, "Mutašabihāt fi al-Qurʾān". Arabic article retrieved from http://www.tayseer-quran.com/showthread.php?t=106.

[53] 1QpHab, col. 8, lines 4-11, translated by Vermes, says "Will they not all of them taunt him and jeer at him saying, 'Woe to him who amasses that which is not his! How long will he load himself up with pledges?'". See http://orion.mscc.huji.ac.il/cave/megila3.shtml.

[54] G. Vermes, "An Introduction to the Complete Dead Sea Scrolls", London: Penguin, 1990, p. 140.

نے حضرت عیسیٰؑ اور انکے مبینہ بھائی جیمز کو "راست باز استاد- The Teacher of the Righteousness" اور انکے حریف پادری کو "ظالم شخص-Wicked Person" گردانا ہے۔اس ضمن میں ٹموتھی اچ لیم[55] رقم طراز ہیں کہ

"1HabQp5.8-12 interprets 'wicked one' as the Liar, rather than the Wicked Priest[56]".

یعنی

" 1HabQp5.8-12 ایک ظالم کی تشریح ایک جھوٹے کے طور پر کرتی ہے ناں کہ ایک مکار پادری کے طور پر"۔

حیرت انگیز طور پر قرآن کی یہ آیت (قرآن 18:15) بھی ایک تنہا مکار شخص کے متعلق مکاشفہ کرتی ہے جو ایک خدا کے متعلق جھوٹ باندھ رہا ہے اور اصحابؑ الکہف اس سے بھاگ رہے ہیں۔ مسیحی تحقیقی قانون "ایک ہی طرح کی پائی جانے والی گواہی کی توثیق کی کسوٹی-Criterion of Similar Attestations" کے مطابق قرآن 18:15 اور نبی حبقوق کی تفسیری تشریح 1QpHab میں واضح ترین مشابہت و مماثلت ہے۔ دونوں آیات ایک "مکار شخص" اور "جھوٹ" کی بات کررہی ہیں۔اس قرآنی آیت کے مطابق وہ جھوٹا پادری یا شخص کون ہو سکتا ہے؟ یہ آیت نبی حبقوق کی تفسیری شرح کے تناظر میں اس تحقیق کو حضرت عیسیٰؑ اور منصف جیمز کے دورِ حیات تک پہنچا دیتی ہے۔ان روشن حقائق کا جھرمٹ "مکار شخص" کے موجودہ مسیحی نظریے پر ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے اور مکار یا ظالم شخص اور اسکے جھوٹ کے بارے میں ایک اچھوتا اختراعی انداز منکشف کرتا ہے۔ان میں سے کچھ علماء مثلاً ایڈمنڈ وِلسن، ہرشل شینکس، مائیکل بئیجینٹ اور رابرٹ آئزن مین ان دستاویزات سے متعلق پائی جانے والے

---

[55] He holds the Chair of Hebrew Bible & Second Temple Judaism at the University of Edinburgh.

[56] Timothy H. Lim, *Pesharim*, New York: Sheffield Academic Press, 2002, p. 35-36

مشکوک معاملات کو اجاگر کرنے کے لئے بالخصوص مشہور ہیں۔ مائیکل بئیجنٹ اپنی کتاب[57] میں مشہور یہودی عالم دین رابرٹ آئزن مین کے "ظالم شخص-Wicked Person "اور"راست بازاستاد- The Teacher of the Righteousness" کے نظریے پر طوالت سے بحث کرتے ہیں۔ ڈاکٹر لارنس براؤن اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں کہ مکار شخص کوئی اور نہیں بلکہ سینٹ پال ہی ہے[58]۔ یہ کوئی معمولی انکشاف نہیں بلکہ اوپر کی گئی بحث اس نظریے کی حمایت کرتی ہے۔ یہ انکشاف مسیحیت کی اساس پر گہرے مضمرات چھوڑتا ہے۔ اسی تناظر میں یہ آیت منکشف کرتی ہے کہ "مکار شخص" اور "جھوٹا" ایک ہی فرد ہے اور یہ "مکار شخص" ہی ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے۔ اسی طرح یہ آیت دو نظریات تجویز کرتی ہے اولاً، موجودہ روایت کے برعکس اصحابؓ الکہف کو حضرت عیسیٰؑ کے دور حیات کے قریب لے جاتی ہے دوئم اس آیت کی نبی حبقوق کی تشریحی موضوع کے ساتھ روشن مماثلت بحر مردار کی دستاویزات کی لکھی جانے والی موجودہ عالمی تسلیم شدہ ٹائم لائن (250ق م سے 70ء) کو چیلنج کرتی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ شاید کچھ دستاویزات حضرت عیسیٰؑ کے رفع کے بعد بھی لکھی گئی ہونگی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ممکنہ طور پر اللہ کی عطا کردہ انجیل مقدس ان دستاویزات میں سے چھپا دی گئی ہو۔

6۔ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ

---

[57] Michael Baigent and Richard Leigh, The Dead Sea Scrolls-Deception, London: Simon & Schuster, 1993, p. 159. They say, “Eisenman has effectively demonstrated that ‘the Liar’ and ‘the Wicked Priest’ are two quite separate and distinct personages”. Again at another point they say, “According to the DSS, the ‘Liar’ was the adversary of the ‘Teacher of Righteousness’ from within the community. The ‘Teacher’s’ second adversary was from outside. This was the ‘Wicked Priest’, a corrupt representative of the establishment who had betrayed his function and his faith. The “Habakkuk Commentary” and certain other of the DSS are referring to the same events as those recounted in Acts, in Josephus and in the works of early Christian historians.

[58] Dr Brown says, “In 1984, one of the Scrolls’ scholars suggested that the ‘Teacher of Righteousness’ described in the Dead Sea scrolls refers to either Jesus or James, and his opponent, the ‘Man of the Lie’, ‘the Wicked Priest’, is Paul! This implies that the Dead Sea scrolls both validate Jesus as a prophet and expose Paul as a corrupter of his teachings”. See http://leveltruth.com/?p=120.

ترجمہ "تو چلو اب فلاں غار میں چل کر پناہ لو" (قرآن 18:16)۔

اصحابؓ الکہف کو شہروں میں چھپنے کی کوئی جگہ میسر نہیں آئی تھی اس لیے انھوں نے بامر مجبوری غاروں کا چناؤ کیا۔ موجودہ "اسینی نظریہ" بھی اسی محور کے گرد گھومتا ہے کہ تورات پر عمل پیرا حقیقی پیروکار بھی غاروں میں جا چھپے تھے۔ یہ نوجوان بھی بظاہر اسی مکتبہ فکر سے تھے۔ قرآن کی اندرونی شہادتوں کی بدولت یہ خیال اس تحقیق کو اسینی نظریے کے مزید قریب لے آتا ہے۔

7. فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا

ترجمہ "اور وہ دیکھے کہ پاکیزہ ترین کھانا کہاں ملتا ہے" (قرآن 18:19)۔ پاکیزہ یا طہارت والے کھانے کا نظریہ بت پرست رومیوں کے برعکس تورات کے اصل پیروکار یہودیوں کے ہاں ملتا تھا۔ پاکیزہ یا ناپاک کھانے کے متعلق قوانین یہودیت کا خاصہ ہیں۔ "کسروت" ایک یہودی کھانے کا قانون ہے جس کا مطلب "کھانے کے قابل خوراک" ہے۔ یہ قانون کچھ طرح کے ناپاک جانوروں کے دودھ اور گوشت پر شرعی پابندی لگاتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ صرف جانوروں کا ایک مخصوص طریقہ "سیچیتا" کے مطابق ہی ذبح کیا جائے۔ یہ نقطہ بھی اصحابؓ الکہف کو اس اضافی اندرونی قرآنی شہادت کی بدولت یہودی پیروکار ثابت کرتا ہے۔

8۔ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا

ترجمہ "اور چاہیے کہ ذرا ہوشیاری سے کام کرے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کو ہمارے یہاں ہونے سے خبردار کر بیٹھے" (قرآن 18:19)۔ یہ نوجوانوں کی اس قابلِ رحم صورتحال کو ظاہر کرتی ہے جو ان کو سوتے وقت پیش آئی ہو گی۔ اس آیت کی روح اُس پس منظر کو بیان کرتی ہے کہ ان کے دور میں کوئی اتنا مضبوط تھا جو ان کو پکڑ سکتا تھا۔ وہ مضبوط ہاتھ رومیوں کے ہو سکتے تھے یا اس یہودی طبقے کے (فاریسی یا صدوقی) جو اس دور میں اتنے مضبوط تھے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ مصلوبیت کروائی اور بعد ازاں سینٹ اسٹیفن اور منصف جیمز کو سنگسار کروایا۔

9۔ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ

ترجمہ "اگر کہیں اُن لوگوں کا ہاتھ ہم پر پڑ گیا تو بس سنگسار ہی کر ڈالیں گے، یا پھر زبردستی ہمیں اپنی ملت میں واپس لے جائیں گے "(قرآن 18:20)۔اس آیت میں اصحاب الکہف دو امور سے خوفزدہ تھے۔ سنگساری کا خوف یا دوبارہ ملت میں لوٹائے جانے کا خوف۔ جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں اُس جگہ دو طاقت کے مراکز تھے رومی یا یہودیوں کا فاریسی اور صدوقی مطلب پرست طبقہ جو رومیوں کے ساتھ تھا۔اس آیت کے سیاق و سباق میں ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم یہ جانیں کہ ان دونوں طبقات کے سزائے موت دینے کے رائج الوقت طریقے کون کون سے تھے۔رومیوں کے سزائے موت کے طریقے کئی تھے مثلاً

1۔سر اڑا دینا(percussio securi)

2۔گلا گھونٹنا(strangulatio)

3۔جیل کی کسی بلندی سے قیدی کو گرا دینا(precipitatio de robore)

4۔مجرم کو کسی نوکدار چٹان سے گرا دینا(dejectio e rupe Tarpeia)

5۔صلیب دینا(in crucem actio)

6۔زندہ جلا دینا

7۔مجرم کو دریا میں پھینک دینا(projectio in profluentem)

رومیوں کی سزاؤں میں سنگساری کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا جو ظاہر کرتا ہے کہ رومیوں کا خوف خارج از الامکان ہے۔اس کے مقابلے میں یہودیوں کی اعلیٰ عدالت 'سینہیڈرن' چار طریقوں سے سزائے موت دے سکتی ہے۔جو شدت کی کمی کے درجوں کے لحاظ سے درج زیل ہے:

1۔ سنگسار کرنا(Sekila)

2۔ جلا ڈالنا(Serefah)

3۔ سر اڑا دینا(Hereg)

4۔ گلا گھونٹنا(Chenek)

وہ جرائم جن پر یہودی 'مثنا' سنگساری کی سزا دے سکتی ہے وہ 'سینہیڈرن باب 15' میں دئی گئی ہیں اور درج زیل ہیں:-

- ایک آدمی کا ماں کے ساتھ جماع کرنا
- آدمی اور اس کے والد کی بیوی (ضروری نہیں اس کی ماں) کے ساتھ جماع کرنا
- ایک مرد کا سوتیلی بیٹی کے ساتھ جماع کرنا
- شادی کے پہلے مرحلے سے دوسرے آدمی کی بیوی سے جماع
- لواطت
- حیوانیت
- خدا کے نام پر خدا کے نام کو کوسنا
- بت پرستی
- بچے کی قربانی
- کالا جادو (Necromantic Sorcery)
- بڑا جادو (Pythonic Sorcery)
- دوسروں کو بتوں کی پوجا پر قائل کرنا
- بتوں کی عبادت کے لئے ایک کمیونٹی کو اکسانا
- چڑیلی جادو گری (Witchcraft)
- سبت کی خلاف ورزی
- اپنے والدین کو کوسنا
- ایک ضدی، سرکش اور باغی بیٹے کو

چنانچہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیمی یہودیت میں سترہ جرائم ایسے ہیں جن پر سزائے موت دی جاسکتی تھی۔ پہلی صدی عیسوی کی نصف دہائی میں یہودیوں نے کئی لوگوں کو سنگساری کی سزائیں دیں۔ ان میں سب سے اہم واقعہ حضرت عیسیٰؑ کو سنگسار (نعوذ باللہ) کرنے کی ناکام کوشش شامل ہے جس میں بائیبل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے چھپ کر جان بچائی[59]۔

کتاب اعمال باب 7 میں سینٹ اسٹیفن اور یہودی اعلیٰ عدالت کے درمیان ہونے والا ایک طویل مکالمہ درج ہے۔ اسٹیفن جس کو رؤایتی طور پر مسیحیت کا پہلا شہید مانا جاتا ہے اس نے اس بھری عدالت میں قاضیوں کو اپنی باتوں سے شدید غصہ دلادیا۔ اس نے ایک لمبی تقریر کی جس میں اس نے یہودی افسر شاہی کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے بے نقاب کر دیا جس پر وہ غصے میں آگئے اور موقعہ پر ہی اسے سنگسار کر دیا گیا۔ اس کی اس سنگساری کو سال آف ٹارسز (سینٹ پال) نے بھی دیکھا شاید سینٹ پال کے مسیحیت میں بعد میں حاصل کیے گئے درجے کو مدِ نظر رکھ کر پڑھایا یہ جاتا ہے کہ اس نے خود سنگساری میں حصہ نہیں لیا. قرائن سے لگتا ہے کے اس نے لازمی حصہ لیا ہو گا کیونکہ وہ ادھر موجود تھا اور اسی طبقے سے تعلق رکھتا تھا جس کی اسٹیفن بے عزتی کر رہا تھا اور وہی طبقہ غصے سے پاگل ہو گیا تھا اور اسی طبقے نے اسے سنگسار کر دیا۔ مزید برآں یہ عمومی طور پر مانا جاتا ہے کہ اس سنگساری کے واقعے کے بعد پال نے حضرت عیسیٰؑ کے ان حواریوں پر ظلم وستم شروع کر دیئے حتیٰ کے اسکا واسطہ شام کے سفر کے دوران راستے میں کسی مبینہ روح سے پڑ گیا جس نے اس کو موجودہ مسیحیت پر مجبور کر دیا۔ اسی سینٹ پال کو جو موجودہ مسیحیت کا بانی ہے بعدازاں ایک رسول (Apostle) کے درجے پر فائز کر دیا گیا۔

سنگساری کا ایک اور انتہائی مشہور واقعہ منصف جیمز (James The Just) اور اسکے ساتھیوں کا ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ فاریسیوں نے جیمز کو کلیسا کی بالکنی میں کھڑا ہو کر اپنے دفاع میں بولنے کا حکم دیا۔ جب جیمز نے دفاع دیا تو وہ لوگ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے اور اسے پکڑ کر بالکنی سے گرا دیا اور سنگسار کر دیا۔ بعدازاں ان

---

[59] The Bible says “At this, they picked up stones to stone him, but Jesus hid himself, slipping away from the temple grounds” (John 8, 59).

یہودیوں کو اس سنگساری کے بھیانک نتائج بھگتنا پڑے کیونکہ رومہ شہنشاہ واسپیئیسین نے اس واقعہ کے فوراً بعد یروشلم پر حملہ کر دیا اور اسکا محاصرہ کر دیا۔ یہ بھی عمومی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جیمز کا یہ قتل ہیکل سلیمانی ثانی کی 70ء میں تباہی کی بنیادی وجہ بنا۔

حضرت عیسیٰؑ پر سنگساری کی مبینہ کوشش، سینٹ اسٹیفن، جیمز اور اسکے ساتھیوں کی سنگساری کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اصحابؓ الکہف اسی یہودی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے یہودی ساتھیوں (فاریسیوں اور صدوقیوں) سے سنگساری کے خوفزدہ سے بھاگ رہے تھے۔ کتاب اعمال کے باب 7، 51-53 آیات بالخصوص آیت 52 کی عبارت ظاہر کرتی ہے جہاں اسٹیفن نے کہا، "کیا کوئی ایسا بھی پیغمبر تھا جس کو آپ لوگوں کے آباءواجداد نے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا ہو۔ حتیٰ کہ انھوں نے ان کو بھی قتل کر ڈالا جنھوں نے ایک راست باز کے آنے کی پیشن گوئی کی تھی اور ابھی تم لوگوں نے عیسیٰؑ کو دھوکہ دیا اور قتل کر دیا"۔ ان آیات میں اسٹیفن کسی بھی طرح ایک مسیحی نہیں لگ رہا بلکہ جس طرح وہ آیت 52 بول رہا تھا اور جس دلیری سے اس نے اپنی جان دی اس طرح تو وہ ایک مسلم اسین لگ رہا ہے جو کہ حضرت عیسیٰؑ کا ایک سچا حواری تھا۔

اس تحقیق کے اخذ شدہ اہم نتائج

یہ تحقیق جب قرآن کی سورۃ الکہف کی آیات 9تا26 کو "پنج جہتی تقابلی موازنہ" کی ٹھوس ترین تفہیم کے بعد پڑھا جائے تو اصحابؓ الکہف کے نظریے کو سمجھنے کے لیے چند انتہائی غیر معمولی نتائج اخذ کرتی ہے۔

1۔ گبن نے قرآن اور محمد ﷺ پر الزام لگانے کی انتہائی گمراہ کن غلطی کی تھی۔ بحر مردار کی دستاویزات کی دریافت نے چند انتہائی اہم اندرونی، بیرونی اور قرائنی شہادتیں منکشف کیں ہیں جن کو اگر "پنج جہتی تقابلی موازنے" کے نظریہ کی سمجھ کے ساتھ پڑھا جائے اور اسکا موازنہ قرآن کی سورۃ الکہف کی آیات 9تا26 سے کیا جائے تو اس مخصوص روایت کے متعلق کلی طور پر ایک نئی چیز سامنے آتی ہے جو اس روایت سے بالکل مختلف ہے جس روایت پر گبن انتہائی مغرور اور پر اعتماد تھا۔

2۔ یہ مسیحی روایت "پنج جہتی تقابلی موازنے" کے نظریے کا امتحانی موازنہ بُری طرح ناکام کرتی ہے اور بظاہر من گھڑت روایت لگتی ہے۔

3۔ "پنج جہتی تقابلی موازنے" کے نظریے کی بنیاد پر یہ ایک یہودی روایت ہے ناں کہ مسیحی روایت اور اگر مزید گہرائی سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ ایک مسلم روایت ہے کیونکہ یہودیوں کا اسین طبقہ اس وقت خالصۃً مسلمان تھا۔ قرائن سے یہ لگتا ہے کہ اصحاب الکہف اسین معاشرے والے لوگ تھے جو فاریسیوں اور صدوقیوں سے جان بچا کر بھاگ رہے تھے ناں کہ مروجہ روایت والے بت پرست رومیوں سے۔

4۔ قرآن کی منتخب کردہ 18، 9تا26 آیات چند ناقابل تردید حقائق منکشف کرتیں ہیں۔ یہ انکشاف بحر مردار کی دستاویزات کی دریافت سے پہلے ممکن نہیں تھا۔ پہلی صدی عیسوی کا "پنج جہتی تقابلی موازنہ" مندرجہ زیل نتائج منکشف کرتا ہے:-

- قرآن 18، 9: اصحابؓ الکہف اسین لوگ تھے۔ (بحر مردار کی دستاویزات کے موازنے سے اخذ کردہ)
- قرآن 18، 13: اصحابؓ الکہف صاحب ایمان لوگ تھے اور اللہ نے انکے ایمان کو مزید بڑھایا تھا۔ (قرآن سے اخذ کردہ)
- قرآن 18، 14: سینٹ پال والی مسیحیت (Pauline Christianity) اس وقت حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنانے کی تبلیغ کر رہی تھی جس کو اصحابؓ الکہف رد کر رہے تھے۔ (بائیبل اور قرآن کے موازنے سے اخذ کردہ)
- قرآن 18، 15: اصحابؓ الکہف یہودی قوم سے تھے اور اپنی قوم کے گمراہ طبقے کی مذمت کر رہے تھے۔ اس روایت پر مسیحیت کی بالادستی کا دعویٰ احمقانہ ہے۔۔ (یہودیت کی تاریخ سے اخذ کردہ)
- قرآن 18، 15: قرآن کے بتائے گئے مکار شخص (Wicked Person) اور نبی حبقوق کی تشریح کے بتائے گئے مکار شخص (Wicked Person) کے متعلق جھوٹ (A Lie) کی بات میں مماثلت اور مشابہت موجود ہے۔ (بحر مردار کی دستاویزات اور قرآن کے موازنے سے اخذ کردہ)

- قرآن 18،16: اصحابؓ الکہف اسین کی طرح غاروں میں جانا چاہتے تھے۔(قرآن سے اخذ کردہ)
- قرآن 18،19: اصحابؓ الکہف کی پاکیزہ کھانے سے متعلق راسخ عقیدہ ہونا یہودیت کا طرہؑ امتیاز تھا انکے علاوہ اس وقت کوئی اور قوم اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھتی تھی۔(قرآن اور یہودیت کی تاریخ سے اخذ کردہ)
- قرآن 18،20: "پنج جہتی تقابلی موازنے" کے نظریے کی بنیاد پر یہ قرآن سے استنباط اضافی اندرونی شہادت ہے کہ اصحابؓ الکہف یہودی اسین حواری تھے جو اپنی قوم کے بگڑے ہوئے طبقے سے سنگساری کے خوف سے بھاگ رہے تھے نہ کہ بت پرست رومیوں کے خوف سے۔

5۔ یہ تحقیق اسرائیلی روایات کو اسلامی اصولوں پر جانچنے کے لیے "پنج جہتی تقابلی موازنے" کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ مسلم علماء کو اسرائیلی روایات کی جانچ پڑتال کے لیے اس اصول کو لازمی استعمال کرنا چاہیے۔

6۔ مسلم علماء اور مفسرین نے اصحابؓ الکہف کو بیان کرنے کے لیے من گھڑت مسیحی روایت کو قرآن کی تقریباً تمام تفاسیر میں داخل کیا۔ یہ غلطی بنیادی طور پر نا گزیر وجوہات پر کی گئی۔ اولاً، قرآن 18،25 کی غلط تاویل، دوئم، "پنج جہتی تقابلی موازنے" کے اصول سے بالا بالا اسرائیلی روایت کی اندھا دھند تقلید۔ **اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے قرآن کی تمام تفاسیر سے "افسس کی روایت" کو فی الفور ہٹایا جائے۔** اصول یہ ہونا چاہیے کہ یہ اقتباس کی جاسکتی ہے (ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ مستشرقین کے نبی کریم ﷺ پر الزامات کے بعد اب اقتباس بھی نہیں کرنی چاہیے) لیکن اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ جس طرح اسرائیلیات سے متعلق عمومی اہتمام پایا جاتا ہے کہ " اسرائیلیات کو توثیق کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن عقیدے کی بنیاد کے لیے نہیں"۔

7۔ **ٹائم لائن کے اوپر قیاسی نظریہ**:- تین ایسے ادوار گزرے ہیں جب یہودی قوم (فاریسی اور صدوقی ناشامل) کی حالتِ زار ناگفتہ بہ تھی جن کے متعلق قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اصحابؓ الکہف ان ادوار میں سے کسی ایک سے ہو سکتے ہیں:-

- پہلا دور حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ اسٹیفن کے فوراً بعد کا دور یعنی 34ء سے آگے والا جب یہودی مذہبی افسر شاہی حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ مصلوبیت، اسٹیفن اور جیمز کی سنگساری کے بعد بہت مضبوط تھی۔

- دوسرا دور یہودیوں کی بغاوت ثانیہ (جو مسادا میں انکی فیصلہ کن شکست سن 74ء پر اختتام پذیر ہوئی) سے آگے کا ہو سکتا ہے۔
- تیسرا دور یہودیوں کی بغاوت ثالثہ (وقوع پذیر سن 134ء) کے بعد کا ہو سکتا ہے جو دوبارہ یہود کی المناک شکست پر مرتکز ہوا۔

سنگساری کی واقعاتی شہادتوں، نبی حبقوق کی تشریح اور اسکے موازنے میں قرآن کے بتائے گئے "مکار شخص" اور اسکے "جھوٹ" کو مدِ نظر رکھ کر اسکے علاوہ کوئی گنجائش نہیں بچتی کے یہ مانا جائے کہ اصحابؓ الکہف حضرت عیسیٰؑ کی رفع آسمانی کے فوراً بعد والے دور کے افراد تھے جو سینٹ اسٹیفن کے نقش قدم پر چل رہے تھے (اسٹیفن اس وقت تک مسیحی نہیں تھے)۔

ان لوگوں کی اس قربانی کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے مسلمان حواری تھے جنھوں نے اُسی بھری عدالت میں قاضیوں کے جرائم کو بے نقاب کیا جس عدالت نے حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ مصلوبیت کی حمایت کی تھی۔ یہ ان لوگوں کی حضرت عیسیٰؑ کے خدا پر ایمان کی اعلیٰ ترین گواہی ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ سے ایک صحابی نے پوچھا، "سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟"، اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا، "ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا[60]"۔

سینٹ اسٹیفن اور جیمز نے ایسا ہی جہاد کیا۔ اسی سچے دین پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کے دور میں عمل ہو رہا تھا. سلطنت رومہ کے زیر سایہ یہودی سنگساری کے اپنے مذہبی قانون کو جیمز کی سنگساری تک پوری قوت سے استعمال کر رہے تھے۔ اس قتل کے بعد یروشلم کا محاصرہ کر لیا گیا اور یہودیوں کو بغاوت میں عبرت ناک شکست ہوئی خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت مبینہ طور پر اس قانون کا ترجیحی اختیار یہودیوں سے لے لیا گیا تھا[61] ۔ سینٹ

[60] *Masnad al-Imām Aḥmad b. Ḥanbal*, 18449. Available at http://dailyhadith.abuaminaelias.com/search_gcse/?q=18449

[61] Jerusalem Talmud, Sanhedrin 18a, 24b. Though Jerusalem Talmud clearly states “It is taught that more than forty years before the destruction of the Temple, capital punishment was removed from Israel”. http://www.remnant.net/study/Matthew_27-28_notes.pdf

اسٹیفن، جیمز اور اسکے ساتھیوں کی سنگساری اور قرآن کی شہادت اس تخیّل کو رد کرتی ہے۔اس لیے قرآن کی دی گئی گواہی سے ان اصحابؓ کا دور رفع عیسیٰؑ کے بعد سے لے کر پہلی یہودی بغاوت 66ء کے دورانیہ کا عرصہ ہو سکتا ہے۔

قرآن کے بتائے گئے نیند کے وقت 309 سال کی بنیاد پر گمان قوی ہے کہ جب یہ نوجوان بیدار ہوئے تو 339ء سے 400ء کے درمیان کا عرصہ ہو گا۔یہ بالکل وہ وقت ہے جب تثلیثیت 381ء میں سلطنت رومہ کا سرکاری مذہب بن چکی تھی۔یہ وقت تھا جب پالن کی مسیحی سلطنت کو شدید طور پر حیات بعد از موت کا کوئی ایسا ثبوت چاہیے تھا جو اس نئے مذہب کی حقانیت پر اپنی بت پرست رعایا کو قائل کرنے کی نظریاتی برتری و بالادستی دے سکتا۔وہ بت پرست رعایا لازماً اس نئے مذہب کو اختیار کرنے میں شدید تذبذب کا شکار تھی۔اس سلطنت کو یہ موقعہ اصحابؓ الکہف کے دوبارہ اٹھنے (339ء تا 400ء کے درمیانی دور) کا واقعہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر مل گیا۔ مسیحی پادریت ان نوجوانوں کے اٹھنے کی تاریخ سے تو کوئی گڑبڑ نہیں کر سکی لیکن جب انھیں یہ نادر موقعہ ہاتھ آگیا تو صاحب اقتدار ہوتے ہوئے ان نوجوان کو دقیانوس کی مسیحیوں کے خلاف ظلم کی تحریک 250ء کے ساتھ منسلک کر دیا تا کہ اسکو اپنایا جا سکے اور مذہبی بالادستی حاصل کی جا سکے۔یہ ممکن ہے کہ انکے اس عمل کی وجہ سے تذبذب کا شکار بت پرست یورپ آہستہ آہستہ مسیحیت کی طرف راغب ہو گیا۔

یہ "پنج جہتی تقابلی موازنے" سے استنباط ہے جو اس کہانی کے کرداروں کو اس کے اصلی حقداروں تک پہنچا دیتا ہے یعنی اسین معاشرہ۔یہ ہی ممکنہ وجہ ہے کہ مسیحیت اس قصہ کو اپنانے کے لیے بالکل اسی طرح دوڑ کھڑی ہوئی جس طرح انھوں نے سینٹ اسٹیفن کو اپنا پہلا شہید بنا ڈالا اور جیمز کو ایک سینٹ حالانکہ جب انھوں نے اپنی جانیں قربان کیں اس وقت مسیحیت کا (مذہب کے طور پر) کہیں دور دور تک بھی نام نہیں تھا (اور ناں ہی سینٹ پال کا کسی روح سے ٹاکرا ہوا تھا)۔ یہ بجائے تھیوڈوسیس ثانی کے تھیوڈوسیس اول (حکومت 347ء سے 395ء) کی من گھڑت دعا کے عین مطابق ہے۔

8۔ بحر مردار کی دستاویزات کے علماء کو بالخصوص دعوت دی جاتی ہے کہ وہ قرآن کا خاص طور پر ان پیغمبروں کے حالات جانچنے کے لیے جائزہ لیں جن کا ذکر بائیبل میں کیا گیا ہے تاکہ انکی تحقیق مستند اور کسی بھی جھول اور قدغن سے مبرا ہو سکے۔

9۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ "پنج جہتی تقابلی موازنے" سے استنباط کی اہمیت جانچنے اور سمجھنے کے لیے سیمینار اور سمپوزیم کروائے جائیں تاکہ خاص طور پر اس واقعے کے مختلف پہلوؤں پر نئے نظریات سامنے آسکیں اور عمومی طور پر مختلف اسرائیلی روایات کی چھان پھٹک ہو سکے۔

اختتامی تبصرہ

آخر میں بھرپور فخر کے ساتھ یہ امر دوہرایا جاتا ہے کہ اصحابؓ الکہف ایک شاندار اسلامی میراث ہے جب زندگی سے بھرپور نوجوان دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر صرف اپنا ایمان بچانے کے لیے غاروں میں چلے گئے۔ بدنصیبی سے "پنج جہتی تقابلی موازنے" سے استنباط کی کمی کی بدولت صغر سن اسلام کے مفسرین اور مؤرخین لاشعوری طور پر اس من گھڑت اسرائیلی روایت کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے جو نوزائیدہ اسلام کے دانشوروں کو ہر طرف سے مل رہی تھیں۔ اس طرح یہ خود ساختہ اسرائیلی روایت قرآنی تفاسیر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی اور مسلم علماء نے اسے لاشعوری طور پر قبول کر لیا۔ لیکن جب اس روایت کو عمومی اسلامی قبولیت مل گئی ٹھیک اسی وقت مسیحی علماء و مستشرقین مثلاً گبن، فرانسس آینورتھ وغیرہ کو محسن انسانیت ﷺ پر علمی چوری کے الزام لگانے کا موقعہ مل گیا[62] (نعوذ باللہ)۔ چنانچہ اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ اس نئی تحقیق کو مستقبل کی تمام تفاسیر کا حصہ بنائی جائے تاکہ پہلے سے جعلی اور من گھڑت اسرائیلی روایت سے چھٹکارا مل سکے۔ اگر مسلم علماء نے اس روایت کی پرکھ کی ہوتی تو مستشرقین کو نبی کریم ﷺ پر الزام لگانے کا موقعہ کبھی ہاتھ نہیں لگتا۔ اس لیے اب یہ مسلم علماء پر فرض اولین ہے کہ وہ اس نئی

[62] **This accusation is set aside by this research paper paying a long-outstanding (over 250 years) academic debt to Muslim scholarship**.

تحقیق کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھ کر آگے پہنچائیں تا کہ مستشرقین کے محمد ﷺ پر ہجویہ الزامات کا جواب دیا جاسکے۔ ہذا ما عندي واللہ اعلم

مقالے میں شامل مضامین کا اجمالی تعارف

اصحاب الکہف کی مروجہ روایت

ابوالعلی مودودی نے تفہیم القرآن میں اسکا اجمالی بیان کچھ یوں کیا ہے ''اس قصے کی قدیم ترین شہادت شام کے ایک مسیحی پادری جیمس سروجی کے مواعظ میں پائی گئی ہے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے۔ یہ شخص اصحابِ کہف کی وفات کے چند سال بعد ۴۵۳ء میں پیدا ہوا تھا اور اس نے ۴۷۴ء کے لگ بھگ زمانے میں اپنے یہ مواعظ مرتب کیے تھے۔ ان مواعظ میں وہ اس پورے واقعے کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہی سریانی روایت ایک طرف ہمارے ابتدائی دور کے مفسرین کو پہنچی جسے ابن جریر طبری نے مختلف سندوں کے ساتھ اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، اور دوسری طرف یورپ پہنچی جہاں یونانی اور لاطینی زبانوں میں اس کے ترجمے اور خلاصے شائع ہوئے۔ گبن نے اپنی کتاب "تاریخ زوال و سقوطِ دولت روم" کے باب 33 میں "سات سونے والوں"() کے عنوان کے تحت ان ماخذ سے اس قصے کا جو خلاصہ دیا ہے وہ ہمارے مفسرین کی روایات سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ دونوں قصے قریب قریب ایک ہی ماخذ سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً جس بادشاہ کے ظلم سے بھاگ کر اصحابِ کہف غار میں پناہ گزین ہوئے تھے، ہمارے مفسرین اس کا نام دقیَنوس یا دقیانوس یا دقیوس بتاتے ہیں اور گبن کہتا ہے کہ وہ قیصر ڈِسیِس (Decius) تھا۔ جس نے ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک سلطنتِ روم پر فرمانروائی کی ہے اور مسیح علیہ السلام کے پیرووں پر ظلم و ستم کرنے کے معاملہ میں جس کا عہد بہت بدنام ہے۔ جس شہر میں یہ واقعہ پیش آیا اس کا نام ہمارے مفسرین اُفسُس یا افسوس لکھتے ہیں، اور گبن اس کا نام اِفِسُس (Ephesus) بتاتا ہے جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر رومیوں کا سب سے بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ تھا، جس کے کھنڈر آج موجودہ ٹرکی کے شہر ازمیر (سمرنا) سے ۲۰۔۲۵ میل بجانبِ جنوب پائے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۲ صفحہ ۴۳۔ پھر جس بادشاہ کے عہد میں اصحابِ کہف جاگے اس کا نام ہمارے مفسرین تیذوسس لکھتے ہیں اور گبن کہتا ہے کہ ان کے بعث کا واقعہ قیصر تھیوڈوسس (Theodosius) ثانی کے زمانے میں

پیش آیا جو رومی سلطنت کے مسیحیت قبول کر لینے کے بعد ۴۰۸ ء سے ۴۵۰ ء تک روم کا قیصر رہا۔ دونوں بیانات کی مماثلت کی حد یہ ہے کہ اصحابِ کہف نے بیدار ہونے کے بعد اپنے جس رفیق کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا تھا اس کا نام ہمارے مفسرین یَملیخا بتاتے ہیں اور گبن اسے یَملیخُس (JAMBLCHUS) لکھتا ہے۔ قصے کی تفصیلات دونوں روایتوں میں یکساں ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قیصر ڈِیسَس کے زمانے میں جب مسیح علیہ السلام کے پیرووں پر سخت ظلم و ستم ہو رہے تھے، یہ سات نوجوان ایک غار میں جا بیٹھے تھے۔ پھر قیصر تھیوڈوسس کی سلطنت کے اڑتیسویں سال (یعنی تقریباً ۴۴۵ ء یا ۴۴٦ ء میں) یہ لوگ بیدار ہوئے جبکہ پوری رومی سلطنت مسیح علیہ السلام کی پیرو بن چکی تھی۔ اس حساب سے غار میں ان کے رہنے کی مدت تقریباً ۱۹٦ سال بنتی ہے۔ بعض مستشرقین نے اس قصے کو قصہ اصحابِ کہف کا مترادف ماننے سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ آگے قرآن ان کے غار میں قیام کی مدت ۳۰۹ سال بیان کر رہا ہے۔ لیکن اس کا جواب ہم نے حاشیہ نمبر ۲۵ میں دے دیا ہے۔"

اس واقعہ کی مزید تفصیل کچھ یوں بیان کی جاتی ہے۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے بعد مسیحیوں کا حال بے حد خراب اور نہایت ابتر ہو گیا۔ لوگ بت پرستی کرنے لگے اور دوسروں کو بھی بت پرستی پر مجبور کرنے لگے۔ خصوصاً ان کا ایک بادشاہ "دقیانوس" تو اس قدر ظالم تھا کہ جو شخص بت پرستی سے انکار کرتا تھا یہ اُس کو قتل کر ڈالتا تھا۔ اصحابِ کہف شہر "اُفسوس" کے شرفاء تھے جو بادشاہ کے معزز درباری بھی تھے۔ مگر یہ لوگ صاحبِ ایمان اور بت پرستی سے انتہائی بیزار تھے۔ "دقیانوس" کے ظلم و جبر سے پریشان ہو کر یہ لوگ اپنا ایمان بچانے کے لئے اُس کے دربار سے بھاگ نکلے اور قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزیں ہوئے اور سو گئے، تو تین سو برس سے زیادہ عرصے تک اسی حال میں سوتے رہ گئے۔ دقیانوس نے جب ان لوگوں کو تلاش کرایا اور اُس کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ غار کے اندر ہیں تو وہ بے حد ناراض ہوا۔ اور فرط غیظ و غضب میں یہ حکم دے دیا کہ غار کو ایک سنگین دیوار اُٹھا کر بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ اُسی میں رہ کر مر جائیں اور وہی غار ان لوگوں کی قبر بن جائے۔

مگر دقیانوس نے جس شخص کے سپرد یہ کام کیا تھا وہ بہت ہی نیک دل اور صاحبِ ایمان آدمی تھا۔ اُس نے اصحابِ کہف کے نام اُن کی تعداد اور اُن کا پورا واقعہ ایک تختی پر کندہ کرا کر تانبے کے صندوق کے اندر رکھ کر دیوار کی بنیاد میں رکھ دیا۔ اور اسی طرح کی ایک تختی شاہی خزانہ میں بھی محفوظ کرادی۔ کچھ دنوں کے بعد دقیانوس بادشاہ مر گیا اور سلطنتیں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ ایک نیک دل اور انصاف پرور بادشاہ جس کا نام "بیدروس" تھا، تخت نشین ہوا جس نے اڑسٹھ سال تک بہت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔ اُس کے دور میں مذہبی فرقہ بندی شروع ہوگئی اور بعض لوگ مرنے کے بعد اُٹھنے اور قیامت کا انکار کرنے لگے۔ قوم کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ رنج و غم میں ڈوب گیا اور وہ تنہائی میں ایک مکان کے اندر بند ہو کر خداوند قدوس عزوجل کے دربار میں نہایت بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری کر کے دعائیں مانگنے لگا کہ یااللہ عزوجل کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمادے تاکہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے اور قیامت کا یقین ہو جائے۔

بادشاہ کی یہ دعا مقبول ہوگئی اور اچانک بکریوں کے ایک چرواہے نے اپنی بکریوں کو ٹھہرانے کے لئے اسی غار کو منتخب کیا اور دیوار کو گرادیا۔ دیوار گرتے ہی لوگوں پر ایسی ہیبت و دہشت سوار ہوگئی کہ دیوار گرانے والے لرزہ براندام ہو کر وہاں سے بھاگ گئے اور اصحابِ کہف بحکمِ الٰہی اپنی نیند سے بیدار ہو کر اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے سے سلام و کلام میں مشغول ہوگئے اور نماز بھی ادا کرلی۔ جب ان لوگوں کو بھوک لگی تو ان لوگوں نے اپنے ایک ساتھی یملیخا سے کہا کہ تم بازار جا کر کچھ کھانا لاؤ اور نہایت خاموشی سے یہ بھی معلوم کرو کہ "دقیانوس" ہم لوگوں کے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے؟ "یملیخا" غار سے نکل کر بازار گئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہر میں ہر طرف اسلام کا چرچا ہے اور لوگ اعلانیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ یملیخا یہ منظر دیکھ کر محو حیرت ہوگئے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ کہ اس شہر میں تو ایمان و اسلام کا نام لینا بھی جرم تھا آج یہ انقلاب کہاں سے اور کیونکر آگیا؟ پھر یہ ایک نانبائی کی دکان پر کھانا لینے گئے اور دقیانوسی زمانے کا روپیہ دکاندار کو دیا جس کا چلن بند ہو چکا تھا بلکہ کوئی اس سکہ کا دیکھنے والا بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ دکاندار کو شبہ ہوا کہ شاید اس شخص کو کوئی پرانا خزانہ مل گیا ہے چنانچہ دکاندار نے ان کو حکام کے سپرد کردیا اور حکام نے ان سے خزانے کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کردی اور کہا کہ بتاؤ خزانہ کہاں ہے؟ "یملیخا" نے کہا کہ کوئی خزانہ

نہیں ہے۔ یہ ہمارا ہی روپیہ ہے۔ حکام نے کہا کہ ہم کس طرح مان لیں کہ روپیہ تمہارا ہے؟ یہ سکہ تین سو برس پرانا ہے اور برسوں گزر گئے کہ اس سکہ کا چلن بند ہو گیا اور تم ابھی جوان ہو۔ لہٰذا صاف صاف بتاؤ کہ عقدہ حل ہو جائے۔ یہ سن کر یملیخا نے کہا کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ دقیانوس بادشاہ کا کیا حال ہے؟ حکام نے کہا کہ آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ ہاں سینکڑوں برس گزرے کہ اس نام کا ایک بے ایمان بادشاہ گزرا ہے جو بت پرست تھا۔ "یملیخا" نے کہا کہ ابھی کل ہی تو ہم لوگ اس کے خوف سے اپنے ایمان اور جان کو بچا کر بھاگے ہیں۔ میرے ساتھی قریب ہی کے ایک غار میں موجود ہیں۔ تم لوگ میرے ساتھ چلو میں تم لوگوں کو اُن سے ملا دوں۔ چنانچہ حکام اور عمائدین شہر کثیر تعداد میں اُس غار کے پاس پہنچے۔ اصحابِ کہف "یملیخا" کے انتظار میں تھے۔ جب ان کی واپسی میں دیر ہوئی تو اُن لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ شاید یملیخا گرفتار ہو گئے اور جب غار کے منہ پر بہت سے آدمیوں کا شور و غوغا ان لوگوں نے سنا تو سمجھ بیٹھے کہ غالباً دقیانوس کی فوج ہماری گرفتاری کے لئے آن پہنچی ہے۔ تو یہ لوگ نہایت اخلاص کے ساتھ ذکرِ الٰہی اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔

حکام نے غار پر پہنچ کر تانبے کا صندوق برآمد کیا اور اس کے اندر سے تختی نکال کر پڑھا تو اُس تختی پر اصحابِ کہف کا نام لکھا تھا اور یہ بھی تحریر تھا کہ یہ مومنوں کی جماعت اپنے دین کی حفاظت کے لئے دقیانوس بادشاہ کے خوف سے اس غار میں پناہ گزیں ہوئی ہے۔ تو دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے ان لوگوں کو غار میں بند کر دیا ہے۔ ہم یہ حال اس لئے لکھتے ہیں کہ جب کبھی بھی یہ غار کھلے تو لوگ اصحابِ کہف کے حال پر مطلع ہو جائیں۔ حکام تختی کی عبارت پڑھ کر حیران رہ گئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے بادشاہ "بیدروس" کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ فوراً ہی بیدروس بادشاہ اپنے امراء اور عمائدین شہر کو ساتھ لے کر غار کے پاس پہنچا تو اصحابِ کہف نے غار سے نکل کر بادشاہ سے معانقہ کیا اور اپنی سرگزشت بیان کی۔ بیدروس بادشاہ سجدہ میں گر کر خداوند قدوس کا شکر ادا کرنے لگا کہ میری دعا قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ایسی نشانی ظاہر کر دی جس سے موت کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے کا ہر شخص کو یقین ہو گیا۔ اصحابِ کہف بادشاہ کو دعائیں دینے لگے کہ اللہ تعالیٰ تیری بادشاہی کی حفاظت فرمائے۔ اب ہم تمہیں اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر اصحابِ کہف نے السلام علیکم کہا اور غار کے اندر چلے گئے اور سو گئے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وفات دے

دی۔ بادشاہ بیدروس نے سال کی لکڑی کا صندوق بنوا کر اصحابِ کہف کی مقدس لاشوں کو اس میں رکھوا دیا اور اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا ایسا رعب لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا کہ کسی کی یہ مجال نہیں کہ غار کے منہ تک جا سکے۔ اس طرح اصحابِ کہف کی لاشوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے سامان کر دیا۔ پھر بیدروس بادشاہ نے غار کے منہ پر ایک مسجد بنوا دی اور سالانہ ایک دن مقرر کر دیا کہ تمام شہر والے اس دن عید کی طرح زیارت کے لئے آیا کریں۔

(یہ واقعہ تفسیر خازن کے حوالے سے پیش کیا گیا، ج۳، ص۱۹۸۔۲۰۰)''

مسیحیت کی مختصر تاریخ

(آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا سے مآخوذ)

مسیحیت یا مسیحیت (انگریزی: Christianity) ایک تثلیث کا عقیدہ رکھنے والا گروہ، جو عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور خدا کا ایک اقنوم مانتا ہے۔ اور اسے بھی عین اسی طرح خدا مانتا ہے، جیسے خدا اور روح القدس کو۔ جنہیں باپ، بیٹا روح القدس کا نام دیا جاتا ہے، بعض فرقے، مسیح، خدا اور روح القدس کی جگہ مریم کو خدائی جزو مانتے ہیں، جبکہ بعض مسیح کو صرف نبی مانتے ہیں۔ مسیحیت مذہب پہلی صدی عیسوی میں وجود میں آیا۔ مسیحی جن کو اسلامی دنیا عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے پکارتی ہے، ان کو تثلیث کا ایک جزو یعنی خدا ماننے والے مسیحی کہلاتے ہیں۔ لیکن کئی فرقے مسیحی کو خدا نہیں مانتے وہ انہیں کیا نبی یا عام انسان مانتے ہیں۔ مسیحیت میں تین خداؤں کا عقیدہ بہت عام ہے جسے تثلیت بھی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر مسیحی کہتے ہیں مسیحیت میں خدا کا تصور، بیٹا، روح القدس ایک ہے اور وہ اپنے آپ کو موحدین (ایک خدا کے ماننے والے) کہتے ہیں۔ اور اسے توحید فی التثلیث کا نام دیتے ہیں۔ مسیحیت ایک سامی مذہب ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کے لگ بھگ دو ارب پیروکار ہیں۔ مسیحی حضرت عیسیٰ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ مقدس بائبل مسیحیوں کی مقدس کتاب ہے۔

مقدّس کتب

بائبل مسیحیت کی مقدس کتاب ہے۔

ا) بائبل کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، عہد نامہ قدیم (عتیق) اور عہد نامہ جدید۔ عہد نامہ قدیم یہودیوں کی مقدس کتاب ہے اور اس میں موسیٰ سے پہلے تمام انبیاء کے حالات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ عہد نامہ جدید عیسیٰ کے احوال پر مشتمل ہے۔

ب) عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کو ملا کر پوری بائبل 73 کتب پر مشتمل ہے۔ تاہم پروٹسٹنٹ بائبل جو کنگ جیمز ورشن کہلاتا ہے، 66 کتب پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ یہ 7 کتابوں کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ اور اس کی سند پر شک کرتے ہیں۔

اس لئے کیتھولک فرقے کے عہد نامہ قدیم میں 46 کتب ہیں جبکہ پروٹشٹنٹ کے عہد نامہ قدیم میں 39 کتب ہیں۔ جبکہ دونوں فرقوں کا عہد نامہ جدید 27 کتب پر مشتمل ہے۔

مسیحیت میں کئی فرقے ہیں، جن میں دو بڑے فرقے ہیں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔

انگریز مصنف ہٹچکوک اپنی کتاب "جیو گرافی آف ریلجن" کے صفحہ نمبر ۲۸۱ پر رقمطراز ہیں کہ:

"قریباً ۱۰۰ اویں صدی عیسوی تک چالیس سے زائد مسیحی کلیسیائیں اسرائیل کے گردو نواح میں آباد ہو چکیں تھیں۔۔۔"

عزیز قارئین یہ دیگر کلیسیائیں نا صرف عقائد و نظریات میں یروشلمی کلیسیا کی مانند تھی بلکہ یہ ان رسومات، نظریات اور عقائد کے پرچار میں بھی سرگرم تھیں۔ ابتدائی رسولی کلیسیا موحد، احبار ۲۳ کے تہوار منانے والی، توریت مقدسہ کا احترام اور اس کو قائم کرنے والی جماعت اور مناد تھی اور یہودیت کا ہی ایک فرقہ کہلاتی تھی۔ (اعمال ۵:۲۴) اور اُس نے دیگر کلیسیاؤں کو بھی اس ہی دستور پر عمل کرتے ہوئے انجیل کی منادی کرنا سیکھائی جسکی شہادت رسولوں کی فہرست مسلمہ میں شامل روح کے ہدایت سے قلم بند تصانیف ہیں جبکہ رومن کیتھولک چرچ کے عقائد و نظریات ابتدائی رسولی جماعت و کلیسیا سے کسی طور پر میل نہیں کھاتے ہیں۔

اعمال ۲۴ باب میں شہنشاہِ وقت اگرپا کے سامنے یہودیوں کا وکیل معزیز رسول پولوس تُرسی کا تعارف بطور یہودی بدعتی فرقے "ناصری" کے رُکن کے طور پر کرواتا ہے (اعمال ۵:۲۴) اور جنابِ پولوس تُرسی اس بات کی تصدیق اس ہی باب میں فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "جس طریق کو یہ بدعت کہتے ہیں اسکے مطابق میں اپنے (یہودی) باپ دادا (ابراہام، اضحاق، یعقوب) کے خدا کی عبادت کرتا ہوں" نیز وہ اپنا ہیکل میں ہونا اور وہاں قربانی اور نذریں

پیش کرنے کا بھی اعتراف فرماتے ہیں (اعمال ۲۴ باب ۱۴ تا ۱۷ آیات) نیز پولوس تُرسی گلتیوں کے نام لکھے اپنے خط میں بھی یروشلم کی جماعت کے اختیار اور اسکی صدارت کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔

(دیکھیں گلتیوں باب اول و دوئم)

مشہور انگریزی کتاب "دی برتھ آف چرچ فرام جیزز ٹو کونسٹنٹین" کے مصنف آؤر۔ جے۔ ڈیوڈسن اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۵ پر رقمطراز ہیں:

"ابتدائی مسیحی یہودیوں کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے۔ ان مسیحیوں کو مورخین یہودی مسیحی لکھتے ہیں۔۔۔"

موجودہ رومن کیتھولک چرچ ۳۱۲ء میں شہنشاہِ روم کونسٹنٹین کے دعوےِ تبدیلیِ ایمان کے بعد وجود میں آیا اس سے قبل روم میں یقیناً کلیسیا موجود تھی تاہم وہ کلیسیا یروشلم کی جماعت کے اصولوں عقائد اور نظریات پر چلنے والی کلیسیا تھی۔ ۳۱۲ء میں شہنشاہِ روم نے روم کی کلیسیا کی صدارت سمبھالی اور اور مختلف بُت پرستانہ عقائد کو مسیحی رنگ دینے کی کوشش کی مثلاً: سٹرنایلا نامی سردیوں کے تہوار کو بطور کرسمس متعارف کروایا، اتوار کے دن کو مسیحی سبت کا نام دیکر سورج دیوتا کے دن پر سبت کے دن کو منتقل کیا، ایسٹر کی تاریخ کو فصح کی تاریخ سے بدل کر بابلی اور رومی دیوی اور دیوتا کی عید پر منتقل کرنا وغیرہ اس ہی شہنشاہ کی مرونِ منت ہیں۔

(کونسیس ہسٹری آف دی کیتھولک چرچ۔ مُصنف تھامس۔ ایس۔ بُکینکوٹر صفحہ نمبر ۴۱)

اس ہی شہنشاہ نے نقایہ کے مقام پر ایک مجلس طلب کی جس میں ان تمام نظریات اور عقائد پر "شہنشاہی مہر" کی گئی اور انکا نفاذ کیا گیا۔ چونکہ اس وقت رومی حکومت بین الاقوامی سطح پر موجود تھی اسلئے ایک بڑا کلیسیائی حصہ سیاسی دباؤ کے سبب ان بدعات کی لپیٹ میں آگیا۔

تاریخی طور سے یہ ثابت ہے کہ روم کے بِشپ نے تیسری صدی تک کبھی خود کو پوپ نہیں کہلوایا (پوپ، آکسفورڈ ڈکشنری آف کرسچن چرچ، ۲۰۰۵، آکسفوڈ یونیورسٹی پریس) اور نہ ہی کبھی زمین پر خدا کا مجسم نمائندہ ہونے کا دعوہ کیا جبکہ اسکے برعکس موجودہ رومن کیتھولک پوپ کا دعوی ہے کہ وہ زمین پر خدا کا مجسم نمائندہ ہے اور اسکے پاس آسمان کی کنجیاں موجود ہیں اور وہ جس پر چاہے آسمانی بادشاہت بند کردے یا کھول دے۔ (کیتھولک انسائیکلوپیڈیا، ویکار

آف کرائسٹ/پوپ) یہ دعوے رومن کیتھولک چرچ کو نا صرف ابتدائی رسولی جماعت اور کلیسیا سے الگ ثابت کرتے ہیں بلکہ یہ اسکی رومی اور بابلی جڑوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

نقایہ کی مجلس کے منعقد کئے جانے سے قبل کئی اباء کلیسیا نے اپنی تصانیف میں مسیحیوں کیلیئے لفظ ''ناصری ''کا استعمال کیا ہے مثلاََ طر طلیان، یوسیبیس، سالمس کا ایپیفینس وغیرہ کی تصانیف میں ابتدائی رسولی جماعت کیلیئے یہ ہی لفظ استعمال کیا گیا۔

(مضمون ناز ریز، ویکی پیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا اور کیتھولک انسائیکلوپیڈیا)

رومن کیتھولک کی اصطلاح کبھی بھی نقایہ کی مجلس سے پہلے مسیحی جماعت کیلیئے استعمال نہیں ہوئی۔ راقم الحروف یہاں یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ لفظ کیتھولک کے معنی عالم گیر کے ہیں اور رومن کیتھولک سے مراد رومی عالم گیر چرچ کے ہیں جو کہ ایک خاص مکتبِ فکر کے حامل افراد کیلیئے استعمال ہوتا ہے جو روم کے شہر و ٹیکن میں موجود اپنے روحانی پیشوا کی پیروی کرتے ہیں لفظ کیتھولک کا اطلاق رسولی جماعت پر کرنا کسی حد تک درست ہے تاہم رومن کیتھولک کی اصطلاح استعمال کرنا واضح فریب ہے ابتدائی رسولی کلیسیا کسی بھی طور پر رومن کیتھولک نہ تھی اور نہ ہی ا صدی عیسوی میں رومن چرچ اپنے موجودہ عقائد کے ساتھ کوئی وجود رکھتا تھا۔

حاصلِ تحریر

رومن کیتھولک چرچ اپنے موجودہ عقائد کے ساتھ ۳۱۲ عیسوی سے قبل وجود نہیں رکھتا تھا کیتھولک دین میں موجود بہت سے من گھڑت عقائد تیسری صدی عیسوی سے لیکر ۲۰ ویں صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں وجود پائے ہیں اور مسلسل پا رہے ہیں۔ ابتدائی رسولی جماعت یہودی خیالات کی حامل جماعت تھی اور اسکا ہیڈ کواٹر یروشلم تھا نا کہ روم کا و ٹیکن، کتابِ مقدس بلخصوص عہدِ تجدید سے کسی بھی طور پر رومن کیتھولک کلیسیا کا وجود ثابت نہیں نہ ہی تاریخی طور پر اسکا وجود تیسری صدی سے قبل ثابت کیا جا سکتا ہے۔ تیسری صدی سے قبل کی رومی کلیسیا اور موجودہ رومن کیتھولک چرچ میں زمین اور آسمان کا فرق موجود ہے لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ رومن کیتھولک چرچ مادرِ کلیسیا ہے

سراسر فریب اور من گھڑت بات ہے مادرِ کلیسیا کہلانے کا حق صرف اور صرف یروشلم کی اس جماعت کو ہے جس نے مسیحیت کی تبلیغ واشاعت میں ابتدائی ایام میں کلیدی کردار ادا کیا اور مسیح کی انجیل کو روم سمیت دنیا بھر میں سنا کر کہا ”توبہ کرو اور رجوع لاؤ تو ہی تم روح القدس انعام میں پاؤ گے“

مختصر یہودی تاریخ

اسلام اور یہودیت میں نکات تضاد

از: ڈاکٹر عبدالخالق علیگ
ریڈر شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہودی مذہب وہ آسمانی مذہب ہے جس کا انحصار زیادہ تر تورات، تلمود اور علماء، مفتیان اور قضاۃ یہود کے فتاویٰ یا فیصلوں پر ہے۔ حالاں کہ یہ آسمانی مذہب ہے، لیکن زمانے کے اتار چڑھاؤ اور یہودیوں کی دنیا پرستی کے سبب اتنے زیادہ تاریخی مد و جزر، عروج وزوال سے گزرا ہے کہ تحریفات کا اتنا ضخیم ڈھیر لگ گیا کہ جس کی وجہ سے اصل دین کو پہچاننا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ بہر حال موجودہ زمانے میں یہودی مذہب کی جو بھی شکل موجود ہے اس پر یہودی تاریخ اور یہودیوں کے دوسری اقوام سے تعلقات کا گہرا مطالعہ کیے بغیر مذہب یہود کو سمجھنا تقریباً محال ہے۔ یہود اہل کتاب شمار کیے جاتے ہیں اور اپنے مذہب کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی شخصیت اتنی زیادہ عظیم اور باوقار ہے کہ دنیا کے تین بڑے مذہب اسلام، مسیحیت اور یہودیت ان کو ابوالانبیاء مانتے ہیں۔ اور علماء کے ایک عام تخمینے کے مطابق پوری دنیا میں من جانب اللہ مبعوث ہونے والے انبیاء میں سے آدھے سے بھی زیادہ انبیاء و رسل حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی نسل میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں مثلاً ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، ایوب، یونس، شمویل، الیاس، الیسع، زکریا، یحییٰ علیہم السلام اور خاتم الانبیاء امام الانبیاء سید ولد آدم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی نسل سے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام بذات خود دسویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سام سے نسلاً منسوب ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام (Sem) کی وجہ سے ہی یہود کو سامی (Semetic) کہا جاتا ہے اور اسی لفظ سے سامیت (Semetism/Semetic) الفاظ تاریخ میں رائج ہو گئے۔ یہود اپنے نسلی تفاخر اور اپنی قوم میں انبیاء اور سلاطین کی کثیر تعداد سے اتنے غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے کہ جہاں ایک وقت میں دنیا کی افضل ترین قوم شمار ہوتے تھے، غرور و تکبر کی وجہ سے خدا کی نظر سے اتنے زیادہ گرے کہ ان پر قرآن کریم کی زبان میں ''مغضوب'' لفظ کا اطلاق ہونے لگا حتیٰ کہ ان میں رائج بدعات ولادینیت خدا فراموشی بلکہ الٰہی مخالفت قتل انبیاء کے ارتکاب وغیرہ اعمال قبیحہ ذلیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں سورہ اعراف میں یہ آیت نازل فرمادی:

''و اذتأذن ربک لیبعثن علیہم الی یوم القیامۃ من یسومہم سوء العذاب ان ربک لسریع العقاب و انہ لغفورٌ رحیمٌ''

ویسے تو دنیا کا ہر ایک مذہب اس کے ماننے والوں کی تاریخ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہی ہے لیکن (جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ) یہودی مذہب کا تو ان کی تاریخ کے بغیر سمجھنا ہی مشکل ہے۔ یہ حقیقت قارئین کرام کو تب واضح ہو جائے گی یا ہو جاتی ہے جب ان کے سامنے یہودی تاریخ اور یہودی مذہب دونوں کا مفصل اور جامع بیان آتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اولاً یہود کی قومی تاریخ مختصراً لیکن جامع انداز پر بیان کی جا رہی ہے۔

یہود کا اصل نام بنی اسرائیل ہے۔ کتب مقدسہ اور دیگر مذہبی کتب کی بنیاد پر یہودی تاریخ کے مندرجہ ذیل اہم ادوار ہیں:

۱-دور اکابرین:

اس دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام تک کے احوال شمار ہوتے ہیں۔

۲-بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فلسطین میں بنی اسرائیل کا داخلہ:

اس دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، یوشع علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا مصر میں ابتلاء اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے من جانب اللہ ان کا خروج غرق فرعون اور صحراء سینا کے راستے فلسطین میں یہود کا داخلہ اور تورات کا نزول۔

۳-دور قضاۃ:

یہ تقریباً تین سو سال کا زمانہ ہے جس میں بنی اسرائیل کا انتظام و انصرام ان کے قضاۃ کے ذریعہ ہوا۔ جب کوئی قاضی؛ شریعت موسوی کا پابند ہوتا تو خدا کی نصرت اس کے ساتھ ہوتی اور پڑوس کی قومیں مغلوب رہتیں اور جب بھی کوئی قاضی خدا کا نافرمان یا شریعت موسوی کا فراموش کرنے والا ہوا تو وہ ذلیل و خوار ہوا اور آس پاس کی قومیں اس پر غالب آتی گئیں۔

۴-دور سلاطین:

اس دور میں حضرت طالوت، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام شامل ہیں جو تقریباً ۱۲۰/سال کا زمانہ ہے۔

۵- منقسم سلطنت بنی اسرائیل:

اس دور میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت بنی اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

(الف) اسرائیل: جو دس قبائل پر مشتمل تھی۔

(ب) یہودا: جو بنی اسرائیل کے دو قبائل بنو یہودا اور بنیامین پر مشتمل تھی۔

پہلی حکومت یعنی اسرائیل ۷۲۱ق،م اور دوسری حکومت یہودا، ۵۸۶ق،م میں اپنا وجود کھو چکی تھی۔

۶-دور جلاوطنی اوّل:

یہ وہ دور ہے جب بنی اسرائیل کی شمالی حکومت یعنی اسرائیل کے دس قبائل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیے گئے اور آج تک ان کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وادی میں کھو گئے یا زمین کے کس حصے نے ان کو نگل لیا۔ یہی دس قبائل بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ (Lost Sheep of Bani Israel) کہلاتے ہیں۔ اسی دور کا دوسرا حصہ وہ ہے جو ۶۰۶ق،م سے ۵۳۶ق،م تک پھیلا ہوا ہے یعنی ستر سال۔ اس دور میں بنی اسرائیل کی یہودا نامی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ہزاروں یہود کو بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔

۷-بنی اسرائیل یا یہود کی بابل سے واپسی/بنی اسرائیل اہل فارس کے زیر اقتدار:

یہ وہ زمانہ ہے جو بابل کی حکومت کا خاتمہ ہو کر اہل فارس کا اقتدار فارس سے لے کر فلسطین تک ہو گیا اور ان کی رواداری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو بیت المقدس واپسی نصیب ہوئی اور ہیکل سلیمانی کو بھی از سر نو شاہان فارس نے بنانے کی اجازت دی اور مدد بھی کی۔

۸-بنی اسرائیل یونانیوں کے زیر اقتدار:

یہ زمانہ تقریباً ۳۳۱ق،م سے ۱۶۷ق،م تک ہے۔

۹-دورِ آزادی:

بنی اسرائیل ۱۶۷ق،م سے لے کر ۶۳ق،م تک آزاد رہے۔اس کے بعد یہود کو کبھی بھی ۱۹۴۸/تک حکومت نصیب نہیں ہوئی اور یہ حکومت بھی قرآن کریم کی اسی آیت کے تحت ہے جس میں فرمایا گیا ہے ''یہود کا وجود دنیا میں یا تو صرف رحمتِ الٰہی (جو سبھی ضعفاء، مظلوم وغیرہ کو شامل ہے) یا پھر کسی دنیاوی بڑی حکومت کی پاسبانی ان کو نصیب ہو جائے یعنی ''حبل من الله وحبل من الناس''(سورہ آل عمران آیت:۱۱۲)

۱۰-بنی اسرائیل رومیوں کے زیر اقتدار:

یہ دور دو حصوں میں منقسم ہے:

(الف) پہلا دور ۶۳ق،م سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور، رفع الی السماء اور یہود کی دوسری جلاوطنی یعنی ۷۰/ عیسوی تک جاری رہا۔

(ب) اور دوسرا دور یہود کی دوسری جلاوطنی یعنی ۷۰/عیسوی سے لے کر رومن امپائر کے خاتمے تک محیط ہے۔

۱۱-یہود مسیحیوں کے زیر اقتدار:

یہ دور رومی شہنشاہ قیصر کے مسیحیت قبول کرنے سے لے کر یورپ اور امریکہ میں آج تک جاری ہے۔

۱۲-یہود مسلمانوں کے زیر اقتدار:

یہ دور دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خاص طور پر ۶۳۶/عیسوی سے لے کر عرب ممالک اور ایران میں آج تک جاری ہے۔

۱۳-یہود کی موجودہ اسرائیلی حکومت کا دور:

یہ دور ۱۹۴۸/ سے شروع ہو کر آج تک جاری ہے اور اللہ ہی کو علم ہے کہ کب تک جاری رہیگا۔

ابتدائی یہودی فرقے

بذریعہ تصنیف سید

(شائع کردہ3rd May 2016)

(لیبلز:Articles Bertrand Russell)

اسرائیلیوں کی ابتدائی تاریخ کی تصدیق عہد نامہ قدیم کے ماخذ کے سوا اور کہیں سے نہیں ہو سکتی اور یہ جاننا ناممکن ہے کہ یہ کس مقام پر محض داستانی نہیں رہتی۔(حضرت)داؤد اور (حضرت) سلیمان کو بحیثیت بادشاہ تسلیم کیا جا سکتا ہے اور ان کا حقیقی وجود بھی تھا۔ لیکن اولین مقامات جو یقینی طور پر تاریخی ہیں وہ یہ ہیں جب کہ پہلے ہی اسرائیل اور یہودا کی دو بادشاہتیں قائم ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں جس پہلے صیغہ متکلم کا ذکر ملتا ہے اور جس کا آزاد دستاویزی ثبوت ہے اسرائیلی بادشاہ آہب(Ahab) ہے۔ اس کا ذکر 853 ق م کے ایک اشوری خط میں ملتا ہے۔ اشوریوں نے بالآخر 722 ق م میں شمالی بادشاہت پر قبضہ کر لیا اور آبادی کا زیادہ تر حصہ ساتھ لے گئے۔ اس وقت صرف یہودا کی بادشاہت نے اسرائیلی مذہب اور روایت کو محفوظ رکھا۔ یہودا کی بادشاہت اشوریوں سے تو بچ رہی لیکن اس کے اقتدار کا اس وقت خاتمہ ہو گیا جب کہ بابلیوں اور میڈیا نے 606 ق م میں نینوا پر قبضہ کر لیا۔ لیکن 586 ق م میں نبوکدرزر(Nebuchadrezzar) نے یروشلم پر قبضہ کر لیا اور ہیکل(Temple) کو مسمار کر دیا اور آبادی کا زیادہ تر حصہ بابل لے گیا۔ 538 ق م میں بابلی حکومت کا اس وقت زوال ہوا جب سائرس(Cyrus) نے بابل پر قبضہ کر لیا۔ سائرس میڈیا اور ایران کا بادشاہ تھا۔ سائرس نے 537 ق م میں ایک حکمنامے کے ذریعے یہودیوں کو واپس فلسطین جانے کی اجازت دے دی۔ ان میں سے اکثریت نے نہمیا(Nehemiah) اور ایزرا(Ezra) کی رہنمائی میں ایسا کیا۔ ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی گئی اور یہودی راسخ الاعتقادی نکھر کر سامنے آنا شروع ہو گئی۔

اسیری کے عرصہ میں' اور اس سے کچھ پہلے اور اس کے بعد بھی' یہودی مذہب بہت اہم ارتقاء میں سے گزرا۔ شروع شروع میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلیوں اور ان کے ارد گرد قبائل کے درمیان مذہبی نقطہ نظر سے زیادہ فرق نہ تھا۔ ابتدا میں یہوواہ (Yahweh) محض ایک قبائلی دیوتا تھا جو اسرائیل کے بچوں کی حمایت کرتا تھا۔ لیکن اس سے انکار نہ تھا کہ اس کے علاوہ اور دیوتا بھی تھے اور ان کی پوجا بطور عادت کی جاتی تھی۔ لیکن جب پہلا حکم الہی کہتا ہے "میرے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے" تو یہ وہ حکم تھا' جو بالکل ایک جدت تھی' اور جو اسیری سے کچھ دیر پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کی تصدیق پہلے انبیاء کی متعدد کتابوں سے ہوتی ہے۔ یہ اس وقت کے انبیاء جنہوں نے یہ پہلی تعلیم دی کہ بت پرست لوگوں کے دیوتاؤں کی عبادت گناہ ہے۔ اس زمانے میں مسلسل جنگوں کو جیتنے کیلئے انہوں نے یہ اعلان کیا کہ یہوداہ کی حمایت لازمی ہے اور اگر اس کے علاوہ دوسرے دیوتاؤں کو تعظیم بخشی گئی تو یہوواہ اپنی حمایت سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ یرمیاہ اور ایزاقیل (Jeremiah and Ezekiel) نے خاص طور پر اس بات کی تعلیم دی کہ ایک مذہب کے علاوہ باقی تمام مذاہب جھوٹے ہیں اور خدا بت پرستی کی سزا دیتا ہے۔

یرمیاہ میں ایک بہت دلچسپ تحریر ہے جس میں وہ مصر میں اسرائیلیوں کی بت پرستی کی مذمت کرتا ہے۔ اس نے خود کچھ وقت ان میں گزارا تھا۔ نبی نے مصر میں پناہ گزین یہودیوں کو بتایا ہے کہ یہوداہ ان سب کو تباہ کر دے گا کیونکہ ان کی بیویاں دوسرے دیوتاؤں کے سامنے لوبان جلاتی ہیں۔ لیکن وہ اسے سننے سے انکار کر دیتی ہیں اور کہتی ہیں "ہم یقیناً وہی کریں گی جو ہمارے منہ سے نکلتا ہے تاکہ ہم آسمان کی ملکہ کے سامنے لوبان جلائیں اور اس پر بطور نذر پانی انڈھلیں جیسا کہ ہم نے کیا ہے اور ہمارے آباؤاجداد نے' ہمارے بادشاہوں نے اور ہمارے شہزادوں نے یہودا کے شہر اور یوروشلم کی گلیوں میں کیا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس وافر اناج تھا اور وہ اچھے بھلے تھے اور انہوں نے کوئی بدی نہ دیکھی۔" لیکن یرمیاہ انہیں یقین دلاتا ہے کہ یہوواہ نے ان کی بت پرستی کے اعمال کو ناراضگی سے دیکھا ہے اور ان کی وجہ سے بد نصیبی آئی ہے۔ "خدا نے کہا دیکھو! میں نے اپنے بلند نام کی قسم کھائی ہے کہ مصر کی تمام سرزمین پر یہودا کا کوئی آدمی اپنے منہ سے میرا نام نہیں لے گا۔۔۔ میں ان کے گناہ کے باعث ان پر نظر رکھوں گا اور ان کی نیکی پر نہیں اور

مصر کی زمین پر یہوواہ کے تمام مرد قحط اور تلوار سے مر جائیں گے ' یہاں تک کہ وہ سب مٹ جائیں گے۔"(یرمیاہ 44-11 سے آخر تک)

ایزا قیل کو بھی اسی طرح یہودیوں کی بت پرستی کے اعمال پر صدمہ ہوا۔ خدا ایک منظر میں اسے دکھاتا ہے کہ عورتیں معبد کے شمالی دروازے پر تموز (ایک بابلی دیوتا) کیلیئے روتی ہیں۔ پھر وہ اسے "شدید کراہت " دکھاتا ہے۔ جب پچیس مرد معبد کے دروازے پر سورج کی پوجا کر رہے ہوتے ہیں، خدا کہتا ہے "اسی کے باعث میں سخت ناراضگی سے نمٹوں گا۔ میری آنکھیں نظرانداز نہیں کریں گی اور نہ ہی میں رحم کھاؤں گا۔ اور اگرچہ میرے کانوں میں بلند آواز سے روئیں گے لیکن میں انہیں نہیں سنوں گا "(ایزا قیل باب 7۔11 سے آخر تک)

یہ تصور کہ ایک مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب بدکردار ہیں اور یہ کہ خدا بت پرستی کی سزا دیتا ہے' صاف طور پر ان نبیوں کی اختراع تھا۔ انبیاء مجموعی طور پر شدید قوم پرست تھے اور وہ اسی دن کے انتظار میں تھے جب خدا ان بت پرستوں کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دے گا۔

اسیری کے متعلق یہی خیال کیا گیا کہ یہ نبیوں کی ملامت کا نتیجہ ہے۔ اگر یہوواہ قادر مطلق تھا اور یہودی اسی کے منتخب لوگ تھے تو پھر ان کے دکھوں کی صرف یہی وضاحت ہو سکتی ہے کہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی۔ یہ آبائی اصلاح کی نفسیات ہے۔ یہودیوں کو سزا دے کر انہیں بداعمالیوں سے پاک کرنا ہے۔ اس عقیدے کے تحت 'اسیری کے دوران 'انہوں نے راسخ الاعتقادی' بہت زیادہ سختی کے ساتھ اپنالی۔ جب وہ آزاد تھے اس کی بہ نسبت اب وہ بلا شرکت غیرے پہلے سے بہت زیادہ قوم پرست بن گئے۔ وہ یہودی جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بابل نہیں لے جائے گئے تھے وہ اس حد تک اس ارتقاء سے متاثر نہ ہوئے۔ اسیری کے بعد جب ایزرا اور نرمیاہ واپس یوروشلم آئے تو انہیں یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ مخلوط شادیاں عام ہو چکی تھیں اور انہوں نے ایسی تمام شادیوں کو ناجائز قرار دے کر ختم کر دیا۔(ایزرا باب 10-5,9)

دوسری قدیم اقوام سے یہودی اس لحاظ سے منفرد تھے کہ ان میں کڑا قومی غرور تھا۔ دوسری اقوام جب مفتوح ہو جاتیں تو خارجی اور داخلی طور پر بھی اطاعت قبول کر لیتیں۔ صرف یہودی اپنی فضیلت و سبقت کے عقیدے پر قائم

رہتے۔ ان کا اعتقاد قائم رہتا کہ ان کی بد نصیبوں کا سبب خدا کی ناراضگی ہے کیونکہ وہ اپنے ایمان و عمل کی پاکیزگی محفوظ رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ عہد نامہ قدیم کی تاریخی کتابیں' جو زیادہ تر اسیری کے بعد تالیف کی گئیں تھیں' یہ غلط تاثر دیتی ہیں کیونکہ وہ یہ بتاتی ہیں ان کی بت پرستی کے اعمال' جن کے خلاف نبیوں نے احتجاج کیا تھا' وہ پہلی سی صحت و سخت پابندی سے دور ہٹ جانا تھا جبکہ حقیقت میں پہلے صحت و سخت پابندی کبھی بھی موجود نہ تھی۔ اگر بائبل کا غیر تاریخی طور پر مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاءؑ کرام اس سے کہیں زیادہ حد تک مخترع تھے جتنے کہ وہ ان کتابوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔

بعد ازاں اسیری کے دوران یہودی مذہب میں بعض خصوصیات پیدا ہو گئیں تھیں جن کا ماخذ اگرچہ پہلی تعلیمات تھیں۔ ہیکل کی تباہی کے باعث' جہاں صرف قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں' یہودی رسومات چارو ناچار قربانیوں سے لا تعلق ہو گئیں۔ اس وقت یہودیوں کے معبدوں میں صحیفوں سے صرف ایسے حصے پڑھ کر سنائے جاتے تھے جو کہ پہلے پڑھے جاتے تھے۔ اب سبت کو پہلی دفعہ اہمیت دی گئی اور اسی طرح ختنے کو بھی جو یہودیوں کی علامت تھی۔

عزرا اور نحمیاہ کے بعد یہودی کچھ عرصے کے لئے تاریخ سے غائب ہو جاتے ہیں یہودی ریاست بدستور ایک دینی حکومت قائم رہی لیکن اس کا علاقہ بہت محدود تھا۔ ای۔ بیون(Jerusalem under the High Priests by E.Bevan)کے مطابق یہ علاقہ یوروشلم کے چاروں طرف دس سے پندرہ میل تک محدود تھا۔ سکندر کے بعد یہ علاقہ سیلوسیوں اور بطلیموسیوں کے مابین نزاع کا باعث بن گیا۔ تاہم اس کے باعث یہودی علاقے میں طویل عرصے تک کوئی جنگ نہ ہوئی اور یہودی آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل پیرا رہے۔

اس زمانے میں ان کے اخلاقی اصول "واعظ "(Ecclesiasticus؟) میں لکھے ہیں جو غالباً 200 ق م لکھے گئے۔ حال ہی تک یہ کتاب صرف یونانی زبان میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بے سند صحائف سمجھ کر خارج کر دیا گیا۔ لیکن حال ہی میں اس کا عبرانی مسودہ دریافت ہوا ہے جو بعض امور میں اس ترجمے سے مختلف ہے جو یونانی متن ہے۔

آرام دہ خود پارسائی کی پر سکون زندگی سیلیوسی (Seleucid) بادشاہ انٹیوخس چہارم (Antiochus IV) کے ہاتھوں بری طرح پامال ہو گئی۔ یہ بادشاہ اپنی تمام ریاستوں کو یونانی طرز پر لانا چاہتا تھا۔ اس نے 175 ق م یورو شلم میں ایک اکھاڑا قائم کیا اور نوجوانوں کو حکم تھا کہ ہیٹ پہنیں اور ورزش کریں۔ اس کام میں جیسن نامی ایک یونانی یہودی نے اس کی مدد کی۔ اسے بادشاہ نے پادری بنادیا۔ پیشوائی اشرافیہ غافل و کاہل ہو چکی تھی اور اس نے یونانی تہذیب میں کشش محسوس کی۔ لیکن ایک جماعت، جسے ہیزی ڈم 2 "Hasidim" (بمعنی "مقدس") کہتے تھے، نے اس کی سخت مخالفت کی۔ دیہاتی آبادی میں وہ بہت مضبوط تھے۔ 170 ق م میں انتوخس جب مصر کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گیا تو یہودیوں نے بغاوت کر دی۔ اس وجہ سے انتوخس نے ہیکل سے مقدس کشتیاں نکال دیں اور ان کی جگہ پر دیوتا کی شبیہ رکھ دی۔ اس نے زیئس (Zeus) کو یہوواہ کی مثل قرار دیا اور اس پر اس طرح عمل پیرا ہوا۔ یہ عمل دوسری جگہوں پر بھی ہر کہیں کامیاب رہا۔ 3 اس نے یہودی مذہب کو مٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ختنہ کی رسم اور اناج سے متعلق قوانین پر عمل ممنوع قرار دیا۔ ان سب باتوں کو یرو شلم نے قبول کر لیا لیکن یورو شلم کے باہر یہودیوں نے شدت و سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔

اس زمانے کی کہانی میکابیز (Maccabees) کی پہلی کتاب میں بیان کی گئی ہے۔ پہلا باب یہ بتاتا ہے کہ کس طرح انتیوخس نے حکم دیا کہ اس کی بادشاہت کے تمام لوگ ایک قوم بن جائیں اور اپنے الگ قوانین ترک کر دیں۔ تمام بت پرستوں نے اور بہت اسرائیلیوں نے اس کی اطاعت کی حالانکہ بادشاہ نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ سبت کو غیر مقدس جانیں، سور کے گوشت کی قربانی کریں اور اپنے بچوں کے ختنے نہ کرائیں۔ تمام وہ جو اس کی اطاعت نہ کرتے انہیں سزائے موت دی جاتی۔ اس کے باوجود بہت لوگوں نے اس حکم کے خلاف مزاحمت کی۔ "انہوں نے بعض ایسی عورتوں کو جان سے مار دیا جنہوں نے اپنے بچوں کے ختنے کرائے۔ اور انہوں نے شیر خوار بچوں کو گردن سے لٹکایا اور ان کے گھروں کو لوٹ لیا، اور انہیں قتل کر دیا جنہوں نے ختنے کئے تھے۔ تاہم اسرائیل میں بہت لوگوں نے فیصلہ کر لیا اور اسی پر پوری طرح قائم رہیں کہ جو کچھ بھی ہو وہ ناپاک چیز نہیں کھائیں گے۔ اس لئے انہوں نے موت کو ترجیح دی تاکہ

وہ مختلف گوشت کھانے سے ناپاک نہ ہو جائیں اور وہ مقدس حکم کی بے حرمتی نہ کریں۔ پس یوں وہ مر گئے""" (میکابیز باب اول 60-63)

اسی زمانے میں یہودیوں میں بقائے روح کا عقیدہ وسعت سے عام ہوا۔ یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ نیکی کا بدلہ اس دنیا میں مل جاتا ہے لیکن اس ظلم و ستم نے جو نیک ترین یہودیوں پر ڈھایا گیا ' ان پر واضح کر دیا کہ صورتحال اس کے برعکس ہے۔ اس لئے عدل الہی کے تحفظ کے لئے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہو گیا کہ اعمال کی جزاو سزا اس دنیاوی زندگی کے بعد اخروی زندگی میں ملتی ہے۔ یہ نظریہ تمام یہودیوں نے تسلیم نہ کیا۔ (حضرت عیسیٰ) کے زمانے میں Sadducees ۔۔۔ اب تک اسے تسلیم نہ کرتے تھے۔ لیکن اب ان کی تعداد کم تھی اور بعد ازاں تمام یہودی بقائے روح کے عقیدہ کے قائل ہو گئے۔

یہودا میکابیس ((Judas Maccabaes نے انٹیوخس کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہ ایک قابل فوجی کمانڈر تھا۔ اس نے پہلے یوروشلم (164 ق م) پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور مزید حملے کرنے شروع کر دیئے۔ بعض اوقات تو وہ تمام مردوں کو مرواڈالتا اور بعض اوقات زبردستی ان کے ختنے کراتا۔ اس کے بھائی جوناتھن کو اعلی ترین پادری مقرر کیا گیا۔ اسے ایک فوجی دستے کے ساتھ یوروشلم میں مقیم کیا گیا۔ اس نے سماریہ فتح کر لیا اور یوں جوپا Joppa اور اکرا (Akra) اس کے قبضے میں آ گئے۔ اس نے روم کے ساتھ مذاکرات کئے اور مکمل خود مختاری حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ ہیرڈ (Herod) کے زمانے تک اسی کا خاندان اعلی ترین پادری کے عہدے پر قائم رہا۔ ان ہی کو ہیسمونین (Hasmoneon) خاندان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اس وقت کے یہودیوں نے مظالم سہنے اور ان کی مزاحمت کرنے میں بہت بڑی بہادری دکھائی۔ انہوں نے ان باتوں کے خلاف بھی اپنا تحفظ کیا جو ہمیں زیادہ اہم معلوم نہیں ہوتی جیسے ختنہ اور سور کھانے کی بدی۔ یہودیوں کی تاریخ میں ان پر انتیوخس چہارم کے مظالم کا زمانہ بہت ہی نازک تھا۔ ادھر ادھر منتشر ہونے والے یہودی (The Jews of the Dispersion) زیادہ سے زیادہ یونانی انداز اختیار کرنے لگے۔ جودیا (Judea) کے یہودیوں کی تعداد کم تھی۔ ان میں بھی امیر اور طاقت ور یہودی یونانی اختراعات قبول کرنے پر قائل ہو گئے تھے۔ اگر ہذیڈم

(Hasidim) نے جرات و بہادری سے مزاحمت نہ کی ہوتی تو شاید یہودی مذہب آسانی سے مٹ جاتا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو مسیحیت اس صورت میں موجود نہ ہوتی جس میں وہ آج موجود ہے۔ ٹاؤن سینڈ (Townsend) میکابیز (Maccabees) کی کتاب چہارم کے ترجمے کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

''یہ خوب کہا گیا ہے کہ اگر انتیوخس کے عہد میں یہودیت مٹ جاتی تو مسیحیت کا تخمی پودا نہ ہوتا اور یوں مکابی شہیدوں کا خونؒ جس نے یہودیت کو بچایا ' بالآخر کلیسا کا تخم بن گیا۔ اس لئے مسیحی دنیا میں توحید کا تصور مکابیوں کا مرہون منت ہے۔''4

تاہم بعدازاں یہودی میکابیز کی تعریف سے دست بردار ہو گئے کیونکہ میکابیز کے خاندان کے اعلی پادریوں نے اپنی کامیابی کے بعد دنیاوی اور زمانہ سازی کی روش اختیار کر لی۔ اب صرف شہیدوں کو ہی قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا۔ میکابیز کی کتاب چہارمؒ جو غالباً سکندریہ میں (حضرت عیسیٰ) کے زمانے میں لکھی گئیؒ میں اس بات اور دیگر دلچسپ امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے عنوان کے باوجود اس میں میکابیز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کتاب اس جملے سے شروع ہوتی ہے۔

''میں انتہائی فلسفیانہ درجے کا سوال زیر بحث لانا چاہتا ہوں یعنی یہ کہ الہامی عقل جذبات پر اعلی ترین حکمران ہے۔ اس فلسفہ کی جانب میں سنجیدگی سے آپ کی پر خلوص توجہ کے لئے التجا کرتا ہوں۔''

اسکندریہ میں رہنے والے یہودی یونانیوں سے فلسفہ کا علم حاصل کرنے کے خواہش مند تھے لیکن وہ اپنے قوانین پر نہایت سختی سے کاربند رہےؒ خصوصاً ختنہؒ سبت کی تعظیم و تکریم اور سور اور ناپاک گوشت کھانے سے پرہیز پر۔ نحمیاہ کے زمانے سے 70 عیسوی میں سقوط یروشلم تک ان کی قوانین کی اہمیت کے ساتھ وابستگی بتدریج بڑھتی گئی۔ وہ کسی ایسے نبی کو مزید برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے جو کوئی نئی بات کہتا۔ ان میں وہ لوگ جو یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ نبیوں کے انداز میں لکھیں وہ اس بات کا سہارا لیتے کہ انہیں ایک پرانی کتاب دستیاب ہوئی ہے جو (حضرت) دانیال یا (حضرت) سلیمان یا کسی قدیم بے داغ توقیر و حرمت والے نبی کی ہے۔ ان کی رسومات کی خصوصیات نے انہیں ایک متحد قوم کے طور پر زندہ رکھا۔ لیکن دھیرے دھیرے قانون کی اصلیت پر زور ٹوٹتا چلا گیا

اور اس بات نے انہیں شدید راسخ العقیدہ اور کٹر بنا دیا۔ اس سخت گیری اور کٹرپن نے سینٹ پال کی ' قانون کے تسلط کے خلاف ' بغاوت کو بہت نمایاں طور پر قابل ذکر بنا دیا۔

تاہم (حضرت) عیسیٰ کے زمانے سے پہلے راسخ العقیدہ یہودیوں میں اہم استثنا تھے۔ مثال کے طور پر "بارہ بزرگوں کے عہد نامے "جو 109 اور 107 ق م میں لکھے گئے وہ ایک فریسی ہی نے لکھے جس نے بیسمونی خاندان کے بلند مرتبہ پادری جان ہر کانس(John Hyr Canus) کی بہت تعریف کی۔ یہ کتابُ جس صورت میں ہم تک پہنچی ہےُ بعض مسیحی تحریفات کی حامل ہے۔ لیکن ان سب کا تعلق عقیدے سے ہے۔ جب انہیں نکال دیا جائے تو اس کی اخلاقی تعلیم اناجیل کے بہت قریب ہے۔

مسیحیوں نے اناجیل سے فریسیوں کے متعلق اچھی رائے حاصل نہیں کی ہے۔ مگر اس کتاب کا مصنف ایک فریسی تھا اور جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے اس نے وہی اخلاقی اصول پیش کئے ہیں جو مسیحیوں کی تعلیم میں بہت نمایاں اور واضح ہیں۔ تاہم اس کی وضاحت مشکل نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں ایک مستثنیٰ قسم کا فریسی تھا۔ بلاشبہ زیادہ عمومی نظریہ اناخ کی کتاب(Book of Enoch) والا تھا۔ دوسری بات یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ تمام تحریکیں زوال پذیر ہونے لگتی ہیں۔ امریکہ کے انقلاب کی بیٹیوں کے اصولوں سے جیفرسن (Jefferson) کے اصول کا استخراج کون کر سکتا تھا؟ تیسرے یہ کہ ہم جانتے ہیں جہاں تک خصوصی طور پر فریسیوں کا تعلق ہے ان کی اپنے اصولوں کے ساتھ عقیدتُ بطور مطلق اور آخری سچائی کےُ جلد ختم ہو گئی اور ان کے ہاں فکر واحساس کی زندگی اور تازگی مرجھا گئی۔ جیسا کہ ڈاکٹر چارلس کہتا ہے۔

"جب فریسیت نے اپنی جماعت کے قدیم تصورات سے ناطہ توڑ لیا تو اس نے خود کو سیاسی مفادات اور تحریکات میں ملوث کر لیا۔ اور وہ قانون کے الفاظ کے مطالعہ میں بہت زیادہ الجھ گئی۔ اس نے وہ اہلیت کھو دی جو اخلاقیات کا ایسا بلند نظام پیش کر سکے جیسا کہ "بزرگوں کا معاہدہ "میں تھا۔ یوں اوائل ہیسیڈیز (Hasids) کے متبعین نے اوائل ہیسیڈزاور ان کی تعلیم نے یہودیت چھوڑ دی اور انہوں نے قدیم مسیحیت کی گود میں اپنا گھر بنا لیا"۔

اعلیٰ پروہتوں کے زمانہ حکومت کے بعد مارک انٹونی نے یہودیوں کے بادشاہ ہیرڈ سے دوستی کرلی۔ ہیرڈ ایک خوش مزاج مہم جو تھا اور اکثر دیوالیہ پن سے ہمکنار رہتا۔ وہ رومی معاشرے کا عادی تھا اور یہودی پاکیزگی سے کوسوں دور تھا۔ اس کی بیوی اعلی پروہتوں کے خاندان سے تھی۔ لیکن وہ ایک انڈیومن (Indumaean) تھا۔ یہودیوں کے شبہات کا نشانہ بننے کیلئے صرف یہ ہی بات کافی تھی۔ وہ ہوشیار ابن الوقت تھا۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ اکٹیویس (Qctavious) فتح یاب ہونے والا ہے تو اس نے فوراً انٹونی (Antony) سے قطع تعلق کر لیا۔ تاہم اس نے بھرپور کوشش کی کہ یہودی اس کی حکمرانی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں۔ اس نے ہیکل دوبارہ تعمیر کرایا مگر یونانی طرز تعمیر میں کیونکہ اس نے کارنتھ انداز کے ستونوں کی قطاریں تعمیر کرائیں۔ لیکن اس نے صدر دروازے پر ایک بڑا سنہری عقاب بنوادیا جس سے دوسرے حکم الہی کی نافرمانی ہوتی تھی۔ جب یہ افواہ پھیلی کہ وہ قریب الموت ہے تو فریسیوں نے عقاب وہاں سے ہٹا دیا لیکن اس نے اس کا انتقام یوں لیا کہ اس نے متعدد فریسیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ 4 ق م چل بسا۔ اس کی موت کے فوراً بعد رومیوں نے بادشاہت منسوخ کردی اور Judea کا انتظام ایک مختار کار کے سپرد کر دیا۔ پونٹیئس پائلیٹ (Pontius Pilate) 26 عیسوی میں منتظم بنا مگر اس میں فراست و موقعہ شناسی نہ تھی اس لئے اسے اس عہدے سے ہٹا دیا گیا۔

66 عیسوی میں یہودیوں نے مستعد اور سر گرم لوگوں کی ایک جماعت کے زیر اثر روم کے خلاف بغاوت کر دی۔ انہیں شکست ہوئی اور 70 عیسوی میں یوروشلم پر قبضہ ہو گیا۔ ہیکل مسمار کر دیا گیا اور جودیا (Judea) میں معدودے چند یہودی رہ گئے۔

اس وقت سے صدیوں سے پہلے منتشر ہونے والے یہودی اہمیت اختیار کر چکے تھے۔ ابتدائی طور پر یہودی بیشتر پوری طرح زراعتی لوگ تھے لیکن اسیری کے دوران انہوں نے تجارت کرنا سیکھا۔ عزرا اور نحمیاہ کے زمانے کے بعد بہت یہودی بابل میں رہ گئے اور ان میں بعض بہت امیر تھے۔ اسکندریہ قائم ہونے کے بعد یہودیوں کی بڑی تعداد اس شہر میں آباد ہو گئی۔ انہوں نے اپنے لئے ایک الگ علاقہ مخصوص کر لیا جو Ghetto کی طرح کا نہ تھا بلکہ ایسا اس خطرے کے پیش نظر کیا گیا کہ مشرکین کے ساتھ رابطے کے باعث وہ ناپاک نہ ہو جائیں۔ Judea میں رہنے والے

یہودیوں کی نسبت اسکندریہ میں رہنے والے یہودی زیادہ یونانی انداز میں ڈھل گئے اور عبرانی زبان بھول گئے۔ یہی وجہ تھی کہ عہد نامہ قدیم کا یونانی زبان میں ترجمہ کرنا ضروری ہو گیا۔ اسی کا نتیجہ توریت کا ہفتاوی (septuagint) ترجمہ تھا۔ توریت کی پہلی پانچ کتابوں کا ترجمہ تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ہوا۔ باقی حصے اس سے کچھ عرصہ بعد ترجمہ ہوئے۔

ہفتاوی ترجمے کے متعلق بہت قصے پیدا ہوئے۔ اسے ہفتاوی ترجمہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ستر مترجم تھے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ ان میں ہر مترجم نے مکمل ترجمہ بالکل علیحدہ ہو کر کیا اور جب تمام تراجم کا تقابل کیا گیا تو وہ لفظ بلفظ یکساں پائے گئے کیونکہ تمام مترجمین کو ربانی القا ہوا۔ اس کے باوجود بعد ازاں علم نے یہ ثابت کیا کہ ہفتاوی ترجمہ شدید ناقص ہے۔ مسیحیت کے آغاز کے بعد یہودیوں نے اس ترجمے کا بہت کم استعمال کیا اور عبرانی زبان میں توریت کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے برعکس ابتدا میں مسیحیوں نے" جن میں بہت کم عبرانی جانتے تھے" ہفتاوی ترجمے پر انحصار کیا یا ان تراجم پر جو اس سے لاطینی زبان میں کئے گئے۔ اوریجن (Origen) نے تیسری صدی میں بڑی محنت کے بعد ایک بہتر مسودہ پیش کیا۔ لیکن جو صرف لاطینی جانتے تھے ان کے پاس اس وقت تک ایک بہت ناقص مسودہ تھا جب تک جیروم (Jerome) نے پانچویں صدی میں بڑی عرق ریزی سے ولگیٹ (Vulgate) انجیل و توریت ترجمہ پیش نہ کیا۔ ابتداء میں تو اس ترجمے پر بہت تنقید ہوئی کیونکہ اس مسودے کو منظور و مستحکم کرانے میں یہودیوں نے اس کی مدد کی۔ بہت مسیحی یہ سمجھتے تھے کہ یہودیوں نے جان بوجھ کر نبیوں کو غلط طور پر پیش کیا ہے تاکہ ان سے یسوع کے آنے کی پیش گوئی کا اظہار نہ ہونے پائے۔ تاہم آہستہ آہستہ سینٹ جیروم کے ترجمے کو تسلیم کر لیا گیا اور کیتھولک کلیسا میں آج بھی اسے مستند قرار دیا جاتا ہے۔

فلسفی فلو (Philo) "جو یسوع کا ہم عصر تھا" فکر کے میدان میں یہودیوں پر یونانی اثر کی بہترین مثال ہے۔ فلو اگرچہ مذہب میں راسخ العقیدہ ہے لیکن فلسفے میں وہ بنیادی طور پر افلاطونی ہے۔ دیگر اہم اثرات قنوطیوں اور نو فیثاغورثیوں کے ہیں۔ یوروشلم کے سقوط کے بعد جوں ہی یہودیوں میں اس کا اثر ختم ہو گیا تو مسیحی علماء نے یہ محسوس کیا کہ اس نے یونانی فلسفے کی عبرانی مقدس کتابوں کے ساتھ مصالحت کرانے کی راہ ہموار کی۔

عہد قدیم کے ہر بڑے شہر میں یہودیوں کی بہت نو آبادیاں تھی۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو نہ تو تشکیک اور نہ ہی یونان وروم کے سرکاری مذاہب سے مطمئن تھے۔ انہوں نے بھی دوسرے مشرقی مذاہب کے نمائندوں کے ساتھ اثر قبول کرنے میں شرکت کی۔ بہت نے تو یہودیت قبول کر لی۔ یہ نہ صرف سلطنت میں ہوا بلکہ جنوبی روس میں بھی۔ یہ غالباً یہودی اور نیم یہودی حلقے تھے جنہیں مسیحیت نے پہلے متاثر کیا۔ تاہم کٹر یہودی یورشلم کے سقوط کے بعد مزید راسخ العقیدہ ہو گئے۔ یہ عمل اسی طرح ہوا جیسے اس سے پہلے نبو کد نظر سے شکست کھانے کے باعث ہوا تھا۔ پہلی صدی کے بعد مسیحیت بھی نکھر کر سامنے آنے لگی اور یوں یہودیت اور مسیحیت کے مابین اچانک مخالفت شروع ہو گئی۔ ہم آگے دیکھیں گے کہ مسیحیت نے بڑی تقویت کے ساتھ یہودیت کی مخالفت کی۔ قرون وسطیٰ کے پورے زمانے میں مسیحی ممالک کے کلچر میں یہودیوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ یہودیوں کو اتنی شدید اذیتیں دی گئیں کہ وہ تہذیب میں اضافہ کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔ البتہ بڑے گرجوں کی تعمیر اور اس نوع کے کاموں میں ان کا سرمایہ ضرور استعمال ہوا۔ اس زمانے میں یہ صرف مسلمان ہی تھے جنہوں نے یہودیوں کے ساتھ رحم دلی کا سلوک کیا۔ اسی کے باعث وہ اس قابل ہوئے کہ وہ فلسفہ اور روشن تفکر حاصل کر سکیں۔

قرون وسطیٰ کے پورے عہد میں مسیحیوں کی نسبت مسلمان زیادہ مہذب اور زیادہ رحم دل تھے۔ مسیحی یہودیوں کو خصوصاً مذہبی جوش کے مواقع پر اذیتیں دیتے تھے۔ صلیبی جنگیں ہیبت ناک منظم قتل سے منسوب ہیں۔ اس کے برعکس مسلم ممالک میں یہودیوں کے ساتھ اکثر اوقات کبھی بھی کسی طرح کی بد سلوکی نہیں کی گئی۔ خاص طور موروں کے سپین میں انہوں نے علم میں اضافہ کیا۔ میمو نائڈز (Maimonides 1135-1204) جو قرطبہ میں پیدا ہوا تھا کو بعض لوگ سپنوزا کے زیادہ تر فلسفے کا ماخذ خیال کرتے ہیں۔ جب مسیحیوں نے سپین دوبارہ فتح کر لیا تو یہ زیادہ تر یہودی ہی تھے جنہوں نے موروں کے علم و فضل کا ابلاغ کیا۔ عالم و فاضل یہودیوں جو عبرانی یونانی اور عربی جانتے تھے اور ارسطو کے فلسفے سے آشنا تھے نے کم تعلیم یافتہ ماہرین علم دین کو اپنا علم دیا۔ انہوں نے ہی کیمیاوی گری اور علم نجوم جیسی کم پسندیدہ باتیں بھی سکھائیں۔

قرون وسطی کے بعد بھی یہودیوں نے تہذیب میں وسیع پیمانے پر اضافہ کیا۔ لیکن یہ اضافہ انفرادی طور پر کیا گیا کسی وقت بھی اجتماعی سطح پر نہیں۔

بحر مردار کی دستاویزات

(مضمون تزئین حسن)

(آن لائن April 11, 2017)

یہ 1947 کی بات ہے ارض فلسطین میں واقع بحر مردار کے شمال مغربی ساحلی علاقے قمران میں دو بدّو اپنی بکریاں تلاش کرتے کرتے زمین سے قدرے اونچائی پر واقع ایک سنسان اور ویران غار کے دھانے کے نیچے آ پہنچے. کھیل کھیل میں کنکر پتھر اندر پھینکنے پر اندر سے مٹی کے برتنوں کے ٹکرانے کی غیر معمولی آوازیں سنائی دیں. شام کا اندھیرا پھیل چلا تھا اور انکے پاس روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا. غار کا دھانا زمین سے خاص بلند تھا اور باہر سے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ غار اندر سے کتنا گہرا ہو گا. اس وقت دونوں گھر لوٹ گئے لیکن دوسرے دن صبح ان میں سے ایک غالباً کسی خزانے کی تلاش کی خواہش دل میں لئے یا تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر غار میں اترا تو اس وسیع دور افتادہ غار میں ایک دیوار کے ساتھ ترتیب سے رکھے ہوے آٹھ مرتبان نظر آئے جن میں سے بیشتر خالی تھے لیکن آخری مرتبان میں موجود چمڑے اور کپڑے پر تحریر شدہ تین قلمی نسخے (ہاتھ سے لکھی گئی تحریریں) ملے جن میں سے دو کو غالباً حفاظت کے لئے کپڑے میں لپیٹا گیا تھا. یہ دونوں بہت اچھی حالت میں تھے اور ان پر موجود تحریریں بہت نمایاں تھی.

آرامی (Aramaic)، یونانی (Greek) اور عبرانی (Hebrew) زبانوں میں کپڑے اور چمڑے کے پارچوں اور کہیں کہیں مصری کاغذ پیپرس پر تحریر کردہ ان صحیفوں میں اس دور کے رسوم و رواج اور رہن سہن سے متعلق معلومات کے علاوہ بائبل کے عہد نامہ قدیم کے قدیم ترین نسخے شامل ہیں.

قارئین کی آسانی کے لئے یہ بتا دیں کہ عبرانی زبان بنی اسرائیل یعنی یہود کی زبان ہے جو آج اسرائیل کی قومی زبان کی حیثیت رکھتی ہے اور آرامی زبان وہ زبان ہے جس میں حضرت عیسیٰ نے تبلیغ کی اور انجیل پہلی مرتبہ اسی زبان میں لکھی گئی. آج یہ زبان تقریباً معدوم ہو چکی ہے. سوائے شام کے تین دور افتادہ گاؤں کے شاید اب یہ کہیں بولی نہیں جاتی. یونانی زبان ان دونوں زبانوں کے مقابلے میں نسبتاً نئی ہے لیکن آرامی کی ہم عصر سمجھی جاتی ہے.

آکسفورڈ ڈکشنری آف آرکیالوجی (آثار قدیمہ) کے مطابق بحر مردار کے شمال مغربی ساحل کے قریب ان غاروں سے دریافت شدہ صحیفے قریب دو ہزار سال پرانے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ کے دور کے۔

ان نسخوں میں سے کچھ کے بارے میں ماہرین کی ایک کثیر تعداد کی رائے یہ ہے کہ یہ پہلی صدی عیسوی کے پہلے نصف حصے میں لکھے گئے یعنی حضرت عیسیٰ کی زندگی میں اور کچھ انکی پیدائش سے پہلے۔ اس دریافت سے آثار قدیمہ میں ہی نہیں مسیحی کلیسا خصوصاً کیتھولک چرچ میں بھی کھلبلی مچ گئی جہاں یہ شبہ کیا گیا کہ یہ قلمی نسخے کہیں موجودہ کیتھولک مذھب کی تشریح و تعبیرات کو ردنہ کردیں۔

آنے والے دس سالوں میں قمران کی پہاڑیوں کے ۱۱ غاروں سے تقریباً ایک ہزار صحیفے دریافت ہوے جنھیں عالمی ماہر اثار قدیمہ نے بحر مردار کے صحیفے یا Dead Sea Scrolls کا نام دیا۔ حال ہی میں یہاں سے اس علاقے سے ایک بارہواں غار دریافت ہوا گو اس میں بھی ٹوٹے ہوے مرتبانوں کے اثار ملے مگر قلمی نسخے پہلے ہی نکالے جا چکے تھے۔ اثار قدیمہ کے حلقوں میں اس وقت یہ خبر گرم ہے جس کی تفصیلات آج سے دو ماہ پہلے یعنی فروری 2017 میں یروشلم یونیورسٹی سے شائع کی گئیں۔

ان میں بائبل کے عہد نامہ قدیم کے تقریباً ہر باب کے مندرجات شامل ہیں۔ بعض کی ایک سے زائد نقلیں موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ کے مندرجات روایتی بائبل کے فی زمانہ مستعمل نسخوں سے مماثلت رکھتے ہیں لیکن بیشتر مقامات پر ان میں اختلافات بھی موجود ہیں۔

سب سے لمبی دستاویز 8 میٹر لمبی ہے اور چمڑے کے ٹکرے جوڑ کر تیار کی گئی تھی۔ ایک تانبے پر لکھی ہوئی تحریر بھی حاصل ہوئی جس پر ارض فلسطین کے 68 مقامات کی نشاندھی کی گئی کہ غالباً ان خفیہ مقامات پر بھی کچھ نسخے چھپائے گئے ہیں۔

ان عرب بدوں کے ذریعہ پہلے یہ ابتدائی دریافت شدہ نسخے فلسطین کے شہر بیت الحم (جو حضرت عیسا کی جائے پیدائش بھی ہے) کے ایک تاجر ابراہیم الجار کے پاس پہنچیں جس نے ان پر موجود عبرانی تحریر دیکھ کر یہ خیال کر کہ شاید یہ کسی یہودی سیناگوگ سے چرائی گئی ہیں انہیں واپس کر دیا۔ اس کے بعد یہ یروشلم شہر کے ایک اور نوادرات کے تاجر

کے پاس پہنچیں اور اس سے سیموئیل مار نامی شخص نے انکی تاریخی اہمیت کو اثار قدیمہ اور علمی ماہرین سے تصدیق کروانے کے بعد خرید لیا.

1948 میں اسرائیل کے قیام کی جنگ چھڑ گئی جسے پہلی عرب اسرائیل جنگ کا نام دیا گیا تھا اور ان نسخوں کو عالمی برادری نے حفاظت کے پیش نظر فلسطین سے باہر منتقل کر دیا. 1954 میں پہلے چار دریافت شدہ صحیفوں کو امریکا کے وال اسٹریٹ جرنل میں مشتہر کیا گیا. انکی قیمت فروخت ڈھائی لاکھ امریکی ڈالر طے پائی.

قارئین کو یاد دلادیں یہ 1000 میں سے صرف چار صحیفوں کی قیمت تھی اور 1954 میں اس رقم سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر قائم کیا جا سکتا تھا. اور یوں یہ صحیفہ مشرق وسطیٰ کے شورش زدہ خطے فلسطین جسکے بیشتر علاقوں کو صیہونی اپنے قبضے میں لے چکے تھے سے نیو یارک منتقل ہو گئے.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دو ہزار سال قبل ان صحیفوں کو خزانوں کی طرح محفوظ کرنے والے کون تھے اور انکا کیا مقصد تھا. ماہرین کے مطابق یہ 200 قبل مسیح سے لیکر 100 قبل مسیح تک کی تحریر کردہ عبارات پر مشتمل ہیں. ان کا کہنا ہے کہ ۷۰ عیسوی میں رومیوں کے خلاف جو یہودی بغاوت کی گئی اس سے قبل یہودیوں ہی کے ایک فرقے نے اپنی مذہبی صحیفوں کو رومیوں کی دستبرد سے بچانے کے لئے انہیں ان غاروں میں محفوظ کر دیا گیا.

ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس علاقے میں یہود کے ایک خاص فرقے کی تعلیمات قلمبند کرنے کا ادارہ اور مذہبی لائبریری تھی جس کے اثار بعد ازاں کھدائی سے دریافت ہوے. ہمارے نزدیک انکا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس دور کی مذہبی تعلیمات کو تحریف سے بچا کر آئندہ نسلوں تک جوں کا توں منتقل کیا جائے. بہر حال جگہ کے انتخاب کے معاملے میں قران میں مذکور بنی اسرائیل نامی اس قوم کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی.

یاد رہے نپولین کے مصر پر حملے کے بعد انیسویں صدی کے آغاز سے مغربی آثار قدیمہ کے ماہرین اور نوادرات کے تاجر مشرق وسطیٰ میں موجود تھے جو مشرق وسطیٰ کے تاریخی نوادر کو مغربی میوزیمز اور آثار قدیمہ کے شائق امراء اور اشرافیہ تک پہنچا کے کثیر منافع کماتے رہے. بعد ازاں اس کام میں برطانوی اشرافیہ نے بھی سرمایا کاری کی. ان میں

بڑی تعداد میں یہودی قوم سے تعلق رکھنے والے اسکالرز اور تاجر بھی تھے جو اس علاقے میں بنی اسرائیل کی موجودگی کے شواہد حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے.

یورپ انڈیا، امریکا، آسٹریلیا میں تو اپنی نو آبادیات پہلے ہی قائم کر چکا تھا مگر ایوبی اور مملوک اور پھر سلطنت عثمانیہ کی سرحدوں میں مداخلت کی ہمت صلیبی جنگوں کے بعد سے پچھلی چھ صدیوں میں نہ ہو سکی تھی. نپولین کو تو برطانوی مداخلت کی وجہ سے ہزیمت اٹھا کر شکست خوردہ واپس جانا پڑا مگر مصر کے عثمانوی گورنر محمد علی پاشا نے اپنا اثر رسوخ مغربی دنیا میں بڑھانے کے لئے دربار میں یوروپی سفراء کو جگہ دی جنہوں نے تمام خطے میں مہم جوؤں، جاسوسوں کا جال بچا دیا جنہوں نے اپنی حکومتوں اور یونیورسٹیز کی سپانسر شپ پر سیاسی معلومات بھی اکٹھی کیں اور آثار قدیمہ پر بھی ہاتھ صاف کیے.

آج لندن کے برٹش میوزیم، پیرس کے لوور، جرمنی کے برلن میوزیم سے لیکر نیویارک کے اسمتھسونین اور میٹروپولٹن میوزیم آف آرٹس کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے میوزیمز بھی مشرق وسطیٰ کے خصوصاً مصر کے نوادر سے بھرے پڑے ہیں. بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ لارنس آف عریبیا کہلانے والا ٹی ای لارنس خطے میں ماہر اثار قدیمہ کے طور پر ہی آیا تھا. ترکوں کے خلاف عرب بغاوت منظم کرنے کا کام لینے کے لئے اسے اسکی خطے کے بارے میں معلومات کی وجہ سے بہت بعد میں منتخب کیا گیا جس نے بلآخر سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کہ اسرائیل کے قیام کے لئے راہ ہموار کی.

Dead Sea Scroll کہلائے جانے والے ان قلمی نسخوں کا جو یہودیت کی تاریخ، عبرانی بائبل کی ترتیب اور مسیحیت کے ابتدائی مراحل کی تفہیم میں مدد دے سکتی ہیں کا شمار قیمتی نوادرات میں ہی ہوتا ہے. ان کے منظر عام پر آنے کے بعد مسیحی کلیسا میں کھلبلی مچ گئی. اس پروجیکٹ پر کام کرنے والے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ ویٹی کن چرچ کی مداخلت کی وجہ سے ان نسخوں میں سے بیشتر کی اشاعت عشروں بعد ممکن ہو سکی کیونکہ ان دستاویزات کے جوں کا توں منظر عام پر آنے سے مسیحیت کی موجودہ تعبیر و تشریح میں اختلاف کا اندیشہ تھا. اس لئے انہیں ضروری عمل

سے گزارنے مثلاً بوسیدہ ٹکڑوں کو دوبارہ جوڑ کر انہیں پڑھنے کے لائق بنانے کے بعد انہیں ویٹیکن چرچ سنسر سے گزرنے کے بعد شائع کیا گیا.

ان نسخوں کی دریافت کے بعد قریبی تاریخی آثار کی کھدائی کے دوران ایک بڑی آبادی کے اثار ملے جن میں رہائش کے کمرے، حمام، پانی کے تالاب، اور برج کے علاوہ مزید قلمی نسخے سکے بھی پائے گئے. ایک کمرے سے جسکے بارے میں غالب خیال یہ ہے کہ اسے یہ تورات رقمبند کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہوگا دوات کی کنویں بھی ملے.

ان آثار قدیمہ کی کھدائی کے بعد ماہرین کی حتمی رائے یہ تھی کہ یہود کا فرقہ اسین اسائنس قمران میں سو قبل مسیح سے لیکر ٦٨ یا ٦٩ عیسوی تک آباد رہا. رومیوں کے خلاف یہودی بغاوت کے دوران رومی فوج نے اس علاقے کو بری طرح روند ڈالا. آبادی یا تو بھاگ گئی یا قتل کر دی گئی یا رومی انہیں غلام بنا کر روم لے گئے جیسا کے تاریخ سے ثابت ہے. ماہرین کے مطابق یہی وہ وقت تھا جس سے قبل اپنے مذہبی صحیفوں کی حفاظت کے لئے یہ غار غالباً انہیں واحد پناہ گاہ نظر آیا اور اس طرح یہ محفوظ تعلیمات دو ہزار سال بعد بیسویں صدی کے نصف آخر میں دنیا کے سامنے آئیں.

١٩٤٧ سے لیکر ٢٠٠٨ تک The Discoveries in The Judean Desert کے نام سے ان صحیفوں پر ٣٩ والیوم شائع ہو چکے ہیں. لیکن غار نمبر چار سے نکلنے والے ١٥٠٠٠ ٹکڑوں میں تقسیم شدہ ٥٠٠ دستاویزات جو کل مواد کا ٤٠ فیصد حصہ بنتا ہے کو عرصے تک حد درجے خفیہ رکھا گیا. کام کرنے والی ٹیم کا کہنا تھا کہ ان تک کو اسکی تصویر لینے کی اجازت نہیں تھی. یہ کہنا مشکل ہے کہ ویٹیکن کا سنسر کس نوعیت کا تھا مگر عام طور سے جو اسکالرز اور آرکیولوجسٹ ویٹیکن کی مداخلت کو اپنی کتابوں میں منظر عام پر لائے انکی بات کو Conspiracy Theory کہہ کر نظر انداز کیا گیا اور بی بی سی کی ڈاکومنٹری The Dead Sea Scroll کے مطابق کچھ کو ٹیم سے نکال بھی دیا گیا.

ان دستاویزات کے اصل نسخے بیشتر یروشلم میں Shrine of The Book نامی ادارے میں نمائش کے لئے موجود ہیں. کچھ نیویارک کے جیوش Jewish History میوزیم میں دیکھے جا سکتے ہیں. اسکے ساتھ ساتھ ان نسخوں پر تحقیق کا کام تاحال جاری ہے. سیاٹل واشنگٹن سے لیکر برن جرمنی تک انہیں سائنسی اور تکنیکی مراحل سے

گزارا جا رہا ہے. دنیا بھر میں پھیلی ہوئی جامعات میں بیشمار اسکالرز نے ان صحیفوں کو اپنی Ph. D کا موضوع بنایا ہے. ان صحیفوں پر بلا مبالغہ سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں. یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم دنیا کا اس میں کوئی کردار نہیں. ہم تاریخ اور تحقیق کی اس دنیا سے بلکل بیگانہ اور بے نیاز ہیں. یہ امت اپنے حال میں مست ہے.

سلطنت روما

آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا سے

رومی سلطنت اپنے عروج پر، سرخ رنگ اور بنفشی رنگ بالترتیب بعد از تقسیم کی مغربی رومی سلطنت اور بازنطینی سلطنت کو ظاہر کر رہے ہیں

زمانۂ قدیم کی ایک سلطنت، جس کا دارالحکومت روم تھا۔ اس سلطنت کا پہلا بادشاہ آگسٹس سیزر تھا جو 27 قبل مسیح میں تخت پر بیٹھا۔ اس سے قبل روم ایک جمہوریہ تھا جو جولیس سیزر اور پومپے کی خانہ جنگی اور گائس ماریئس اور سولا کے تنازعات کے باعث کمزور پڑ گئی تھی۔ کئی موجودہ ممالک بشمول انگلستان، اسپین، فرانس، اٹلی، یونان، ترکی اور مصر اس عظیم سلطنت کا حصہ تھے۔ رومی سلطنت کی زبان لاطینی اور یونانی تھی۔ مغربی رومی سلطنت 500 سال تک قائم رہی جبکہ مشرقی یعنی بازنطینی سلطنت، جس میں یونان اور ترکی شامل تھے، ایک ہزار سال تک موجود رہی۔ مشرقی سلطنت کا دار الحکومت قسطنطنیہ تھا۔ مغربی رومی سلطنت 4 ستمبر 476ء کو جرمنوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی جبکہ بازنطینی سلطنت 29 مئی 1453ء میں عثمانیوں کے ہاتھوں فتح قسطنطنیہ کے ساتھ ختم کر دی۔

اپنے عروج کے دور میں رومی سلطنت 5،900،000 مربع کلومیٹر (2،300،000 مربع میل) پر پھیلی ہوئی تھی۔ مغربی تہذیب کی ثقافت، قانون، طرزیات، فنون، زبان، مذاہب، طرز حکومت، افواج اور طرز تعمیر میں آج بھی رومی سلطنت کی جھلک نظر آتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆